سورۃ الفاتحہ کی فضیلت

اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: میں نے نماز کو اپنے اور اپنے بندے کے درمیان نصف تقسیم کر دیا ہے، اور میرے بندے کے لیے وہ ہے جو اس نے مانگا پس جب بندہ کہتا ہے: اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میرے بندے نے میری حمد (شکر اور تعریف) بیان کی۔ اور جب وہ کہتا ہے: الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: میرے بندے نے میری ثنا کی۔ اور جب وہ کہتا ہے: مٰلِكِ یَوْمِ الدِّیْنِ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میرے بندے نے میری عظمت بیان کی۔ اور کبھی یوں بھی فرمایا: میرے بندے نے اپنے آپ کو میرے سپرد کر دیا پھر جب بندہ کہتا ہے: اِیَّاكَ نَعْبُدُ وَ اِیَّاكَ نَسْتَعِیْنُ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: یہ میرے اور میرے بندے کے درمیان کا معاملہ ہے میرا بندہ جو سوال کرے گا وہ اس کو ملے گا۔ پھر جب بندہ کہتا ہے: اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ ۝ صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْهِمْ ۙ غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْهِمْ وَ لَا الضَّآلِّیْنَ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: یہ سب میرے بندے کے لیے ہے اور میرے بندے کے لیے وہ ہے جو اس نے مانگ لیا ہے۔" (صحیح مسلم، کتاب الصلاۃ، رقم:

ایثار

مفہوم: لغت میں ایثار کے معنی ترجیح دینا ہیں: اصطلاحی معنی: دوسرے کے فائدے کو ذاتی مفاد پر ترجیح دینا۔ اپنی بھلائی پر دوسروں کی بھلائی کو مقدم رکھنا۔

اردو میں لفظ ''قربانی'' اسی مفہوم کے لیے استعمال ہوتا ہے یہ کمال سخاوت کا درجہ ہے اسلام میں ایثار کی بہت زیادہ تعلیم دی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ﴿وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَ لَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ﴾ (الحشر: ۹) ''اور وہ ان کو اپنی جانوں سے بھی زیادہ مقدم رکھتے ہیں، خواہ ان کو خود احتیاج ہی ہو'' یعنی اپنی ضرورتوں پر ضرورت مندوں کو ترجیح دیتے ہیں۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں عرض کی اے اللہ کے رسول ﷺ! مجھے سخت بھوک لگی ہے آپ نے ازواج مطہرات رضوان اللہ علیہم اجمعین کی طرف پیغام بھیجا، مگر ان میں سے کسی کے ہاں سے بھی کھانے کی کوئی چیز نہ ملی تو آپ ﷺ نے فرمایا: ((اَلَا رَجُلٌ يُضَيِّفُ هٰذِهِ اللَّيْلَةَ يَرْحَمُهُ اللّٰهُ)) ''کوئی شخص ہے جو آج رات اس کی مہمان نوازی کرے اور اللہ تعالیٰ اس پر رحم فرمائے۔'' ایک انصاری صحابی (ابوطلحہ رضی اللہ عنہ) کھڑے ہوئے اور عرض کیا: اے اللہ کے رسول ﷺ یہ آج میرے مہمان ہیں پھر وہ انہیں اپنے ساتھ گھر لے گئے اور اپنی بیوی سے کہا کہ یہ رسول اللہ ﷺ کے مہمان ہیں۔ کوئی چیز ان سے بچا کے نہ رکھنا۔ بیوی نے کہا اللہ کی قسم! میرے پاس تو صرف بچوں کا کھانا ہے۔ اس نے کہا کہ بچے جب رات کا کھانا مانگیں تو انہیں سلا دو اور کھانا آگے رکھ کر چراغ بجھا دینا، آج رات ہم بھوکے ہی رہ لیں گے۔ بیوی نے ایسا ہی کیا۔ پھر وہ انصاری صحابی رضی اللہ عنہ صبح کے وقت رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، تو آپ ﷺ نے فرمایا: ((لَقَدْ عَجِبَ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ أَوْ ضَحِكَ مِنْ فُلَانٍ وَفُلَانَةٍ)) ''اللہ تعالیٰ نے فلاں مرد اور فلاں عورت کے طرز عمل پر تعجب کا اظہار فرمایا (آپ ﷺ نے یہ فرمایا) کہ اللہ تعالیٰ ان کے عمل سے خوش ہو کر ہنس پڑا ہے۔'' اسی موقع پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: ﴿وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَ لَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ﴾ ''اور وہ اپنی جانوں سے مقدم رکھتے ہیں خواہ ان کو خود احتیاج ہی ہو۔'' (صحیح بخاری، التفسیر، رقم: ۴۸۸۹۔ صحیح مسلم: ۳۳۰۴)

اسی طرح حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((لَا يُؤْمِنُ اَحَدُكُمْ حَتّٰى يُحِبَّ لِأَخِيْهِ مَا يُحِبُّ لِنَفْسِهِ)) (صحیح بخاری، رقم: ۱۳۔ صحیح مسلم: ۴۵) ''تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک مکمل ایمان دار نہیں ہو سکتا جب تک کہ اپنے بھائی (مسلمان) کے لیے وہی نہ پسند کرے جو اپنے لیے پسند کرتا ہے۔

تشریح: اس حدیث مبارک میں کامل ایمان کے بارے میں اصول درج ہے لہٰذا ایمان کا بنیادی تقاضا ہے کہ ایک مومن دوسرے مومن کے لیے انتہائی مخلص ہو اور اس کے حق میں ہمدردانہ جذبات رکھے۔ اگر کسی انسان میں یہ صفت نہ ہو تو اس کو ایمان پر غور کرنا چاہیے۔ اسی طرح حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ وہ شخصیت ہیں جنہوں نے جنگ تبوک کے موقع پر مسلمانوں کی ضرورت کو ترجیح دیتے ہوئے اپنا سارا مال اللہ کی راہ میں خرچ کر دیا۔ اور جب نبی ﷺ نے ان سے پوچھا ((يَا أَبَابَكْرٍ مَا أَبْقَيْتَ لِأَهْلِكَ)) ''اے ابوبکر! تم نے اپنے گھر والوں کے لیے کیا چھوڑا ہے؟'' تو انہوں نے جواب دیا کہ اُن کے لیے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی محبت چھوڑ آیا ہوں۔ (ترمذی، رقم: ۳۶۷۵۔ ابوداؤد، رقم: ۱۶۷۸)

دعا ہے اللہ تعالیٰ تمام مسلمانوں کو ایثار اور قربانی کا جذبہ عطا فرمائیں۔ (عبدالرحیم بلتستانی)

فہرست

اداریہ

اصل حق دار

حافظ احمد شاکر

اسلام کے امتیازات میں سے ایک امتیاز یہ ہے کہ اسلام نے انسانی وقت کے ضیاع کی ہمیشہ حوصلہ شکنی کی ہے اور قرآن وحدیث کی تعلیمات میں اللہ کا ذکر کرنے کی جو ترغیبات اور فضائل بیان کیے گئے ہیں ان کا ایک مقصد بھی یہی ہے کہ انسانی دل، دماغ اور زبان ممکن حد تک ذکر الٰہی کی طرف متوجہ رہیں۔ تعلیماتِ اسلامیہ میں غیبت کی بہت زیادہ مذمت کی گئی ہے، کہ فارغ وقت میں اس عمل سے شیطان انسان کا دل خوب لبھا تا ہے۔ نیک عمل سوچنے کے اجر کا تذکرہ بھی وقت کے اچھے استعمال کی رغبت ہے۔ فجر کی بیداری سے لے کر ظہر تک کام کرنا اور نماز ظہر کے بعد قیلولہ...... لمبی تان کر سونا نہیں...... کا ذکر سورۂ نور میں ہے۔ نماز عصر سے لے کر نماز عشاء تک کے وقت کی برکت کا تذکرہ بھی احادیث میں ہے۔ بعض احادیث میں عشاء کے بعد گفتگو کرنے کو بھی ناپسند کیا گیا۔ اور نماز عشاء کے بعد فوراً سو جانے کا ارشاد بھی دراصل علی الصبح بیداری کی تمہید ہے۔ فارغ بیٹھ کر گپیں ہانکنے کی مذمت قرآنِ حکیم میں ایک زیادہ مرتبہ لہو ولعب کے نام سے آئی ہے۔

''اور جب تو ان لوگوں کو دیکھے جو ہماری آیات کے بارے میں (فضول) بحث کرتے ہیں تو ان سے کنارہ کر، یہاں تک کہ وہ اس کے علاوہ بات میں مشغول ہو جائیں اور اگر کبھی شیطان تجھے ضرور ہی بھلا دے تو یاد آنے کے بعد ایسے ظالم لوگوں کے ساتھ مت بیٹھ۔'' (الانعام:۶۸)

لغت کے اعتبار سے لہو اس فعل کو کہتے ہیں جو انسان کو...... امورِ دینیہ سے...... غافل کردے اور لعب بے مقصد اچھل کود یعنی جس کا دینی فائدہ کوئی نہ ہو۔ اسلام میں تفریح یقیناً ہے لیکن بے مقصد نہیں۔ آپ ﷺ نے ایسی تفریحات کی طرف مسلمانوں کو متوجہ کیا اور متعارف کرایا کہ جن میں انسان تھوڑی سی نیت بہتر کر لینے سے ثواب سے مالا مال ہو جاتا ہے۔ مثلاً تیراندازی، نیزہ بازی، گھڑسواری، تیراکی، دوڑ، گتکہ، لاٹھی چلانا اور گھمانا۔ اور دورِ حاضر میں باکسنگ جوڈو کراٹے، تیکوانڈو اور دیگر مارشل آرٹس کہ ہیں تو یہ تفریحات لیکن اگر ان فنون حربیہ کو سیکھتے وقت جہاد فی سبیل اللہ میں استعمال کرنے کی نیت کر لی جائے تو سبحان اللہ کہ آم کے آم گٹھلیوں کے دام۔ کہ ان سے صحت بھی بحال، خود حفاظتی صلاحیت بھی اور کفار سے مزاحمت کے وقت اعلائے کلمۃ اللہ کے لیے ان کا استعمال بھی کام آئے گا۔ ان فنون حربیہ کے سیکھنے سے انسانی قوت وذہانت کا صحیح استعمال بھی کیا جا سکتا ہے۔

جوئے کی حرمت پر امت کا اتفاق ہے کہ یہ نص قرآنی ہے۔ اس کی وجوہات میں اہم وجہ وقت کا...... ذہانت آزمانے کے نام پر...... بے محابا ضیاع بھی ہے۔ جب کہ غیر اسلامی تفریحات میں بنیادی طور پر وقت کا ضیاع ہی ہوتا ہے کہ وقت اس جگہ صرف کیا جانا چاہیے جس کا آخرت میں کوئی فائدہ ہوتا ہو۔ ہمیں یہ جان لینا چاہیے غیر مسلموں کی تفریحات میں آخرت کا تصور تک نہیں صرف تفریح ہی تفریح ہے جس میں سراسر وقت کا ضیاع ہوتا ہے۔ کسی میں کم اور کسی میں زیادہ۔ کسی بھی مغربی کھیل اور تفریح میں چوں کہ آخرت کا تصور نہیں اس لیے وہ سب ہی شریعت میں غیر محمود ہیں۔

کرکٹ خالصتاً یورپین کھیل ہے جس میں وقت کا ضیاع غیر معمولی ہوتا تھا۔ یہ تھا اس لیے کہ کسی زمانے میں اس کا نتیجہ پانچ دن کے بعد نکلتا تھا کہ کون جیتا اور کون ہارا۔ یعنی ایک میچ پانچ دن تک جاری رہتا جس میں ایک چھٹی بھی ہوتی اور کل چھ دن بن جاتے اب چوں کہ پانچ دن کا میچ شاذ شاذ ہی کہیں ہوتا ہے اب سارے میچز ون ڈے ہی ہوتے ہیں تاریخ اس کی یہ ہے کہ اس ایک روزہ میچ کی ابتداء ۱۹۷۷ء میں ہوئی۔ آسٹریلیا کا ایک بڑا سرمایہ دار کیپری پیکر جو پیدائشی جواریا تھا اس نے پیکر سرکس کے نام سے اس کھیل کو نیا رنگ یہ دیا کہ اس نے دنیا سے پچاس نامور کرکٹرز کو معقول مشاہروں پر بھرتی کر لیا اور ان کے کھیلے ہوئے ون ڈے میچز پر اس نے جوا لگانا اور کھلانا شروع کرا دیا۔ اس کھیل کو جلد یعنی ہار جیت کو نتیجہ خیز بنانے کے

لیےاس نے کرکٹ کے ون ڈے میچز میں

- پانچ دن کے ان گنت اوورز کی بجائے صرف پچاس اوور کا میچ شروع کر دیا۔
- میچ رات کی تیز روشنی میں کرانے شروع کر دیے۔
- یونیفارم......جو کہ پہلے سفید ہوتی تھی......کو رنگ دار کر دیا۔
- کرکٹ کے گیند کا رنگ......جو پہلے سرخ تھا......سفید کر دیا۔

اس کے بعد سے اب تک یہ عالمی، عظیم الشان مہذبانہ جوا وائٹ کالرز کے زیر اہتمام شروع ہوا جواب اس حد تک پہنچ چکا ہے کہ کیا امیر، کیا غریب کیا حاکم اور کیا محکوم جیت کے یہ خواہش مند ملک وملت کی عزت وناموس تک کو بھی داؤ میں لگانے سے گریز نہیں کرتے۔

وطن عزیز کے عوام اور حکمرانوں کی اس کھیل پر اندھادھند دلچسپی کا مختلف پہلوؤں سے جائزہ لیا جائے تو کئی واشگاف حقائق دل ودماغ کو جھنجھوڑ کر رکھ دیتے ہیں۔

- وقت کا ضیاع کہ میچ تو صرف ایک دن ہوتا ہے۔میچ سے پہلے اس کا اہتمام، میچ کے بعد ہار کی صورت میں سوگ اور......قومی طور پر...... باہمی ''تعزیت'' اور جیت کی صورت میں بے ہنگم اظہار مسرت، ڈھول بھنگڑا جیسے غیر شرعی افعال، مٹھائی کی صورت میں لاکھوں کی تبذیر یعنی فضول خرچی اور یوں کم از کم اس کے شائقین تین دن برباد کر دیتے ہیں۔
- میچ کھیلنے والے اور دیکھنے والوں کی نمازیں؟ اگر پڑھیں تو دھیان کدھر؟
- معاشرے میں دولت کی فوری حصول کے عمومی مزاج کے باعث ہزاروں بلکہ شاید لاکھوں لوگوں کو اس سے جوے کی بیماری لگ چکی ہے۔
- میچ اگر بھارت سے ہو تو ہمیشہ فتح کی خواہش مندی! اس خواہش سے ہم قومی طور پر ذہنی بیمار ہو چکے ہیں۔

حیرانگی ہے کہ بھارت سے فتح کی ہماری یہ امنگ ترنگ اور تڑپ کرکٹ میچ میں تو جوبن پر ہوتی ہے لیکن بھارت کی جمہوریت، صنعت خصوصاً آئی۔ٹی میں تجارت اور وطن سے وفاداری میں کیوں نہیں ہوتی۔اس گناہ میں سب سے بڑے مجرم ہمارے حکمران، سیاست دان اور نو دولتیے سرمایہ دار ہیں۔جو کھلاڑیوں کو جیت پر انعامات ونوازشات کی ایسی ایسی پیش کشیں کر دیتے ہیں جو ان حکمرانوں نے آج تک سائنس دانوں، گراں قدر اساتذہ، اور کسی بھی فن کے اصحاب علم کو کبھی نہیں کیں۔یہ فراخ دلانہ پیشکشیں یا گویوں اور فلمی فنکاروں کے نصیب میں ہوتی ہیں یا پھر کھلاڑیوں کے حصے میں آتی ہیں۔ہمارے پنجاب کے خادم اعلیٰ نے ترنگ میں آ کر جیتنے پر ہر کھلاڑی کو ایک ایک مربعہ زمین دینے کا اعلان کر دیا۔حالاں کہ ایسے انعام واکرام کے حق دار وہ گرامی قدر سائنس دان اور اسلحہ وجہاز سازی کے ماہرین ہیں جنہوں نے اپنے وطن کے دفاع کے لیے ایسے آلات حرب وضرب تیار کیے جس کا فائدہ ان شاء اللہ وطن ہی کو ہوگا اور ہمیشہ ہوتا رہے گا جب کہ کھیل ایک مرتبہ اگر جیت بھی گئے تو آخر ہارنا بھی تو ہوتا ہے۔ہم اگر واقعی آئین کو بالا دست تسلیم کرتے ہیں تو آئین کے مطابق پاکستان کا سپریم لا قرآن وسنت ہے اور قرآن وسنت ہی کی روشنی میں کہا جا سکتا ہے کہ ضیاع وقت کی حامل کھیلوں میں وطن عزیز کی امانت یعنی خزانے کا بے دریغ استعمال کیوں کر جائز ہو سکتا ہے کہ اس طرح کی دادودہش کے مستحق لاکھوں مریض ہیں، لاکھوں بھوکے، ہزاروں بے روزگار بیوائیں، یتامی اور مساکین ہیں ان کی خدمت وکفالت تو حکمرانوں پر فرض ہے وہ دھیان اس طرف کریں۔خادم اعلیٰ چوں کہ دینی اور مخیرّ خاندان کے فرد ہیں انہیں تو خالصتاً دنیاوی لہو ولعب کی ایسی حوصلہ افزائی نہیں کرنی چاہیے جس سے عنداللہ امانت کے بارے میں ان کو سوالات کا سامنا کرنا پڑے۔یہ گزارش ان سے خوش گمانی رکھنے والے ایک حلقہ کی ترجمانی ہے امید ہے وہ اس پر ٹھنڈے دل سے ضرور غور فرمائیں گے۔

درس قرآن

قسط نمبر ۷

تفسیر سورۃ الفاطر

مولانا ارشاد الحق اثری حفظہ اللہ

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ سند صحیح ہے مگر وہ بالکل شاذ ہے مجھے معلوم نہیں کہ ابوالضحی کی کسی نے متابعت کی ہے۔ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے بھی امام بیہقی رحمہ اللہ کا یہ قول نقل کیا ہے۔ (تفسیر ابن کثیر، ج:۴، ص:۴۹۵)

اور البدایہ (ج:۱، ص:۲۱) میں فرمایا ہے کہ یہ اسرائیلیات میں سے ہے۔ ملا علی قاری نے الموضوعات الکبیر ص:۳۱ میں حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ کے اس قول کے بعد فرمایا ہے: یہ اور اس جیسے دوسرے، جب ان کی رسول معصوم ﷺ تک سند صحیح نہیں تو وہ مردود ہے۔ یہ بات دراصل علامہ سخاوی رحمہ اللہ نے المقاصد الحسنہ (رقم:۸۱) میں کہی ہے۔ غالبًا انہی سے علامہ علی قاری نے یہ بات اخذ کی ہے۔

ماضی قریب میں برصغیر کے علماء میں یہ اثر بڑا موضوع بحث بنا رہا۔ نواب صدیق حسن خاں مرحوم نے دلیل الطالب اور ابجد العلوم میں اس پر نقد کیا تو مولانا عبدالحئی لکھنوی نے اس کے اثبات پر تین رسالے لکھے دو اردو زبان میں، ایک "دافع الوسواس فی اثر ابن عباس"، دوسرا "الآیات البینات علی وجود الانبیاء فی الطبقات" کے نام سے اور ایک رسالہ عربی میں "زجر الناس علی انکار اثر ابن عباس" کے نام سے۔

مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمہ اللہ اور دیگر ان کے ہمنواؤں نے بھی اس کا اثبات کیا ہے مگر امام بیہقی اور حافظ ذہبی رحمہما اللہ کے تبصرہ کے بعد اس کو صحیح قرار دینا درست نہیں۔ شیخ ابوغدہ نے بھی مولانا لکھنوی کی کتاب ظفر الامانی (ص:۵۷۰، ۵۷۱) کی تحقیق وتعلیق میں اس کو ضعیف اور شاذ قرار دیا ہے اور کہا ہے کہ علامہ سیوطی رحمہ اللہ نے بھی اسے سنداً ومعناً شاذ قرار دے کر ضعیف ہی قرار دیا ہے۔ اور

ابن حجر ہیثمی رحمہ اللہ کا بھی یہی موقف ہے جیسا کہ علامہ العجلونی رحمہ اللہ نے کشف الخفاء، ج:۱، ص:۱۲۳ میں ذکر کیا ہے۔ علامہ سیوطی کا مفصل کلام الحاوی (ج:۱، ص:۳۸۶) میں دیکھا جاسکتا ہے۔ نواب والا جاہ مرحوم نے ابجد العلوم (ج:۱، ص:۴۴۱) میں بھی علامہ سیوطی رحمہ اللہ کا مکمل کلام نقل کیا ہے۔ اس کے علاوہ علامہ قسطلانی اور علامہ الحلبی وغیرہ سے بھی اس کی تضعیف نقل کی ہے تمام اقوال کی تفصیل یہاں ضروری نہیں۔ شائقین محولہ کتب کی مراجعت فرمائیں۔ (۱)

جس سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے اس اثر کے بارے میں اہل علم کی آراء مختلف ہیں۔ مگر ہمارے نزدیک راجح قول اکثر اہل علم ہی کا ہے کہ یہ شاذ اور ضعیف ہے۔ اور اس پر کسی عقیدہ کی بنیاد درست نہیں۔

قرآنِ پاک کی اس آیت سے یہ تو معلوم ہوتا ہے کہ سات آسمانوں کی طرح زمینیں بھی سات ہیں۔ مگر یہ کہاں اور کیسی ہیں، ان پر کوئی آبادی ہے یا نہیں، ہے تو کس نوعیت کی ہے۔ آسمانوں کی طرح ان کے مابین کوئی فاصلہ ہے یا نہیں، قرآنِ مجید ان امور سے ساکت ہے البتہ احادیث مبارکہ میں واضح الفاظ سے منقول ہے کہ سات

(۱) علامہ ابوحیان نے البحر المحیط، ج:۸، ص:۲۸۷ میں کہا ہے کہ اس کے موضوع ہونے میں کوئی شک نہیں اور یہ واقدی کذاب کی روایت سے ہے۔ انہی کے حوالے سے یہ بات علامہ آلوسی نے روح المعانی، ج:۸، ص:۱۲۵ اور پیر کرم شاہ صاحب نے ضیاء القرآن، ج:۵، ص:۲۸۸ میں کہی حالانکہ "المستدرک" اور "الاسلام والصفات" کی روایت قطعاً واقدی سے منقول نہیں ہے۔

زمینیں ہیں۔ چناں چہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((من اخذ شيئا من الارض بغير حقه خسف به يوم القيامة الى سبع ارضين))

(بخاری: ۲۴۵۴)

''جو ناحق زمین کے معمولی حصہ پر قبضہ کرتا ہے قیامت کے روز سات زمینوں میں دھنسایا جائے گا۔''

اسی طرح حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا، آپ ﷺ فرماتے تھے:

((من ظلم من الارض شيئا طوّقه من سبع ارضين)) (بخاری: ۲۴۵۲)

''جس نے کسی پر ظلم کر کے معمولی سی زمین چھینی، اس کے گلے میں اسی قدر ساتوں زمینوں کا طوق بنا کر گلے میں ڈالا جائے گا۔''

حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ کے خلاف اَروٰی نامی عورت نے استغاثہ کیا کہ سعید نے میری کچھ زمین پر قبضہ کرلیا ہے۔ انہوں نے اس کا انکار کیا اور فرمایا کہ میں نے تو رسول اللہ ﷺ سے یہ حدیث سنی ہے میں یہ غلطی کیسے کرسکتا ہوں۔ انہوں نے دعا کی کہ اے اللہ یہ عورت کہتی ہے کہ مجھ پر ظلم ہوا ہے یہ جھوٹی ہے تو اسے اندھا کردے اور اسی کے کنویں میں اسے گرا دے۔ اور مسلمانوں کو نور کی طرح دکھا دے کہ میں نے اس پر ظلم نہیں کیا۔ چند دن بعد وہ اندھی ہوگئی اپنی زمین میں پھر رہی تھی کہ کنویں میں گر کر مرگئی۔ (الاصابہ، ج:۳،ص:۹۷ وغیرہ)

حضرت سعید رضی اللہ عنہ کے علاوہ اس نوعیت کی روایت متعدد صحابہ رضی اللہ عنہم سے مروی ہے حتی کہ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے فرمایا ہے:

((هذه الاحاديث كالمتواترة))

البداية، ج:۱، ص:۲۰۔ ترمذی، ج:٤، ص:۱۹۳ مع التحفه اور مسند امام احمد، ج:۲، ص:۳۷۰ وغیرہ میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی ایک روایت میں ہے کہ آسمانوں کی طرح ساتوں زمینیں بھی اوپر نیچے ہیں اور ایک زمین کا دوسری زمین سے فاصلہ پانچ سو سال کی مسافت کا ہے۔ مگر یہ روایت ضعیف ہے۔ ملاحظہ ہو العلل المتناهية، ج:۱، ص:۱۳، ۱٤ اور ظلال الجنة، ج:۱، ص:۲٥٤۔

اس کے علاوہ کسی صحیح روایت میں زمینوں کے مابین دوری کا ذکر نہیں۔ مفسرین کی آراء اس بارے میں نہایت مختلف ہیں۔ بعض نے سات اقلیم مراد لی ہیں، بعض نے سات پر سات تہیں مراد لیے ہیں بعض سات علیحدہ علیحدہ براعظم مراد لیے ہیں، بعض نے یہ تاویل کی کہ آسمان بلندی کو کہتے ہیں۔ بایں طور زمین کے اوپر آسمان یہ اس کے اوپر کے آسمان کے لیے بمنزلہ زمین ہے یوں سات آسمان اور اس کے نیچے سات زمینیں ہیں۔

بعض کہتے ہیں کہ ہماری زمین کی طرح فضاء میں دیگر زمینوں کا انکار ممکن نہیں۔ سائنس دانوں نے فلکی مشاہدات میں بعض سیاروں میں زمین سے ملتے جلتے آثار اور ان میں زندگی کے امکان کو تسلیم کیا ہے۔ مگر صحیح بات یہ معلوم ہوتی ہے کہ ہم سات آسمانوں کی طرح سات زمینوں کو تسلیم کریں۔ ان کی آسمانوں کی طرح کوئی تفصیل قرآنِ پاک اور احادیث صحیحہ میں منقول نہیں اس لیے ہم حتمی بات کہنے کے نہ مجاز ہیں نہ اس تکلف کی کوئی ضرورت ہے۔

ہم اس کے تو مکلّف ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی صفت تخلیق وتکوین پر ایمان لائیں مگر جن امور کی تفصیل اللہ تعالیٰ یا اس کے رسول ﷺ نے بیان نہیں فرمائی اس میں رائے زنی سے اجتناب ہی سلامتی کی راہ ہے۔ جب ہم اللہ تعالیٰ کی مخلوق کا احاطہ نہیں کرسکتے تو اس کی تفصیلات کو کیوں کر جان سکتے ہیں۔

﴿جاعل الملئكة رسلا اولى اجنحة مثنى وثلث ورُبع﴾

''فرشتوں کو قاصد بنانے والا ہے جو دو دو اور تین تین اور چار چار پروں والے ہیں۔''

الملائكة: اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی ایک مخلوق ''الملائکۃ'' یعنی فرشتے ہیں۔ جنہیں اللہ تعالیٰ نے نور سے پیدا کیا ہے۔

درسِ حدیث

توفیق الباری

"الادب المفرد" للبخاری کا اردو ترجمہ مع تشریحات وفوائد

از حضرت نواب سید صدیق حسن خان صاحب رحمہ اللہ
تسہیل: حافظ محمد اشرف سعید (نیو کرول شالامار باغ۔لاہور)

۹۲۲۔ عن ابنِ عبّاسٍ رضی اللہ عنہ قال: لا أرَى أحدًا يَعْمَلُ بِهٰذِهِ الْآيَةِ: ﴿يَـٰٓأَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُمْ مِنْ ذَكَرٍ وَ أُنْثٰى﴾ حَتّٰى بَلَغَ ﴿إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ أَتْقَاكُمْ﴾ فَيَقُولُ الرَّجلُ لِلرَّجلِ: أَنَا أَكْرَمُ مِنْكَ، فَلَيْسَ أَحَدٌ أكرمَ مِنْ أَحَدٍ إِلَّا بِتَقْوَى اللّٰهِ. (صحيح الإسناد)

''حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ فرماتے ہیں کہ میں نے کسی کو اس آیت پر عمل کرتے ہوئے نہیں دیکھا ''اے لوگو ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور تمہارے خاندان اور قبیلے بنا دیئے تا کہ تم ایک دوسرے کو پہچان سکو بے شک اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے عزت والا وہ ہے جو سب سے زیادہ پرہیزگار ہے۔'' ایک آدمی دوسرے آدمی سے کہتا ہے میں تجھ سے زیادہ عزت والا ہوں (جب کہ اس میں تقویٰ نہیں ہے) حقیقت یہ ہے کہ کوئی شخص کسی سے بڑھ کر عزت والا نہیں ہے مگر تقویٰ کے ساتھ۔''

فائدہ: فی الواقع ایک جہاں اسی گمان میں بہک گیا ہے کہ ہم اولاد فلاں نبی یا ولی یا امام یا شیخ عالی مقام یا قطب زمان یا علامہ دوراں یا نسل شاہ جہاں ووارث تخت سلیمان یا شاہزادہ کامران ونحو ذلک من العنوان ہیں اور اعمال حسان اور اخلاص توحید واصلاح مراتب ایمان اور تعقیل مقاصد ایقان تکمیل علوم شرائع سیّد انس وجان ونحوہا سے برکراں سو یہ سب خیالات فاسدہ ومطویات کاسدہ وساوس شیطان واغواء ونفس واخوان شیاطین الانس والجان ہیں ہرگز آخرت میں کچھ بکار آمد نہ ہوں گے جب آنکھ بند ہوگی تب آنکھ کھلے گی اور معلوم ہوجائے گا کہ لیس الخیر کالعیان ولیس قریة وراء عبادان اعاذنا الله من شرور انفسنا ومن سيات اعمالنا من يهدى الله فلا مضل له ومن يضلله فلا هادى له من كان وانما كان.

۹۲۳. عن عبد اللهِ بنِ عبّاسٍ رضی اللہ عنہ: ما تعدُّون الْكَرَمَ؟ قَدْ بَيَّنَ اللّٰهُ الكَرَمَ، فَأَكرَمُكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ أَتْقَاكُمْ، مَا تَعدُّوْنَ الْحَسَبَ؟ أَفْضَلُكُمْ حَسَبًا أحسَنُكم خُلُقًا. (صحيح الإسناد)

''حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا تم کس کو مکرم عزت والا شمار کرتے ہو پھر خود ہی فرمایا اللہ تعالیٰ نے مکرم کو بیان کردیا ہے اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو سب سے زیادہ متقی پرہیزگار ہے پھر فرمایا تم حسب وشرافت کس کو شمار کرتے ہو پھر خود ہی فرمایا حسب کے لحاظ سے سب سے زیادہ تم میں افضل وہ ہے جو سب سے زیادہ بہتر اخلاق والا ہے۔''

باب: الأرواح جنود مجندة

روحیں صف بستہ فوجیں ہیں

۹۲۴. عن عائشةَ رضی الله عنها قالتْ: سمعتُ النَّبيَّ صلی اللہ علیہ وسلم يقولُ: ((الأَرْوَاحُ جُنُوْدٌ مُجَنَّدَةٌ فَمَا تَعَارَفَ منها ائتَلَفَ، وما تَنَاكَرَ منهَا اخْتَلَفَ))

''حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے میں نے سنا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے روحیں صف بستہ فوجیں ہیں ان میں سے جو ایک دوسرے کو پہچانتی ہیں آپس میں ملتی ہیں اور جو ایک دوسرے سے اجنبی ہوتی ہیں وہ

آپس میں اختلاف رکھتی ہیں۔'' (صحیح البخاری)

فائدہ: یعنی ازل میں جب مجمع ارواح کا ہوا تو وہاں جس روح کی جان پہچان جس روح سے ہوگئی اس کے درمیان دنیا میں بھی باہم الفت رہی اور جو اس جگہ بیگانہ وش تھی وہ اس جگہ بھی ناآشنا ہے۔''

٩٢٥ . عن عائشةَ رضى الله عنها ، عن النَّبيِّ ﷺ ...... مثله . (صحیح)

''یہ حدیث اسی طرح دوسرے طرق سے بھی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے آئی ہے۔'' وللہ الحمد

٩٢٦ . عن أبي هريرةَ قالَ: قالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: ((اَلْأَرْوَاحُ جُنُوْدٌ مُجَنَّدَةٌ فَمَا تَعَارَفَ مِنْهَا ائتَلَفَ ، وَمَا تَنَاكَرَ مِنْهَا اخْتَلَفَ)) (صحیح مسلم)

''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوع روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا روحیں صف بستہ فوجیں ہیں ان میں جن کا آپس میں تعارف ہوگیا اس کی وجہ سے آپس میں الفت ہوگئی اور ان میں سے جو آپس میں اجنبی رہیں اس کی وجہ سے ان میں اختلاف ہوگیا۔''

فائدہ: معلوم ہوا کہ یہاں کا عرفان وتنکران نمونہ ہے اس جگہ کے عنوان ونام ونشان کا۔ والله المستعان وعليه التكلان

باب: قول الرجل عند التعجب: سبحان الله

تعجب کے وقت سبحان اللہ کہنا

٩٢٧ . عن أبي هريرةَ قالَ: سمعتُ النَّبيَّ ﷺ يَقُولُ: ((بَينَما رَاعٍ فى غَنَمِهِ عَدَا الذِّئْبُ ، فَأَخَذَ مِنهُ شَاةً فطَلَبَهُ الرَّاعِيْ فَالْتَفَتَ إليهِ الذِّئْبُ فَقَالَ: مَنْ لَهَا يَوْمَ السَّبُعِ؟ لَيْسَ لها رَاعٍ غَيْرِى)) فقالَ النَّاسُ: سُبْحَانَ اللّٰهِ ، فقالَ رَسولُ اللّٰهِ ﷺ: ((فَإِنِّى أؤمِنُ بذٰلِكَ ، أَنَا وَأَبُوْبَكْرٍ وَعُمَرُ))

''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوع روایت ہے وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا ایک چرواہا اپنی بکریوں میں تھا ایک بھیڑیے نے بکریوں پر حملہ کر کے ایک بکری کو پکڑ لیا چرواہے نے بھیڑیے سے بکری کو چھڑایا تو بھیڑیا اس کی طرف متوجہ ہوا اور بولا اس دن ان بکریوں کا کون محافظ ہوگا جس دن درندوں کا راج ہوگا ہمارے سوا ان کا کوئی محافظ نہیں ہوگا لوگوں نے اس پر تعجب کرتے سبحان اللہ کہا اس پر آپ نے فرمایا میں اس سے مامون ہوں۔ میں ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما۔'' (صحیح البخاری)

٩٢٨ . عن عليٍّ قالَ: كانَ النَّبيُّ ﷺ فى جَنَازَةٍ فأَخَذَ شَيْئًا فَجَعَلَ يَنْكُتُ بهِ فِى الأَرْضِ ، فَقالَ: ((مَا مِنْكُمْ مِنْ أَحَدٍ إِلَّا قَدْ كُتِبَ مَقْعَدُهُ مِنَ النَّارِ وَمَقْعَدُهُ مِنَ الْجَنَّةِ)) قَالُوا: يَا رَسُولَ اللّٰهِ ، أَفَلَا نَتَّكِلُ علٰى كِتَابِنَا وَنَدَعُ الْعَمَلَ؟ قَالَ: ((اِعْمَلُوا ، فَكُلٌّ مُيَسَّرٌ لِمَا خُلِقَ لَهُ)) قَالَ: ((أَمَّا مَنْ كَانَ مِنْ أَهْلِ السَّعَادَةِ فَسَيُيَسَّرُ لِعَمَلِ السَّعَادَةِ ، وَأَمَّا مَنْ كان من أهل الشقاوةِ فسييسر لعَمَل الشَّقَاوَةِ)) ثم قرأ: ﴿فَاَمَّا مَنْ اَعْطٰى وَاتَّقٰى o وَصَدَّقَ بِالْحُسْنٰى﴾ (صحیح البخاری)

''حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ایک جنازے کے ساتھ تھے آپ نے کوئی چیز اٹھائی اس سے زمین کو کریدتے گئے اور فرمایا کہ نہیں ہے تم میں سے کوئی جس کا ٹھکانہ دوزخ میں یا جنت میں نہ لکھ دیا گیا ہو لوگوں نے عرض کیا پھر ہم اپنے نوشتہ تقدیر پر بھروسہ کر کے نہ بیٹھ جائیں اور عمل کو چھوڑ دیں آپ ﷺ نے فرمایا عمل کیے جاؤ ہر شخص کے لیے اسی چیز کو آسان کر دیا جاتا ہے جس کے لیے وہ پیدا کیا گیا ہے جو شخص اہل سعادت میں سے ہے اس کے لیے اہل سعادت کے اعمال آسان ہوجاتے ہیں جو اہل شقاوت میں سے ہے اس کے لیے اہل شقاوت کے عمل آسان کیے جاتے ہیں پھر آپ نے اس آیت کی تلاوت فرمائی سو جس نے دیا اور اللہ سے ڈرا اور اچھی بات کی تصدیق کی۔''

فائدہ: حدیث میں دلالت ہے شناخت سعادت وشقاوت اخروی پر کہ اوّل باخر نسبتی دارد وصدور اعمال کا دنیا میں مطابق مقدر ازل ہوتا ہے اور اعتبار خواتیم عمل کا ہے۔

جرم وسزا

سر عام پھانسی اور کوڑوں کی سزا کے بارے میں اسلامی تعلیمات

منظور شدہ ذیلی کمیٹی قانونی اصلاحات باجلاس کوئٹہ مؤرخہ ۲۱ ستمبر ۱۹۹۲ء

مولانا عبدالغفار حسن رحمہ اللہ

آج کل عام طور پر سولی پر لٹکانے اور برسرعام سزا دینے کے بارے میں یہ شبہ پیش کیا جاتا ہے کہ اس طرح انسانیت کی تذلیل ہوتی ہے اور یہ رویہ انسانی بنیادی حقوق کے منافی ہے حالاں کہ اس سے مقصود لوگوں کو عبرت دلانا ہے تا کہ لوگ جرائم پر آمادہ نہ ہوں اور ایک مسلم معاشرہ امن وعافیت کا گہوارہ بن جائے۔ مذکورہ بالا مسئلہ کے تین اہم پہلو درج ذیل ہیں:

(الف) آیا قرآن وسنت میں سرعام پھانسی کے بارے میں کوئی حکم موجود ہے؟

(ب) سرعام پھانسی یا سرعام سزائے تازیانہ کے بارے میں قرآن وسنت میں کیا احکام ہیں؟

(ج) اسلام میں پھانسی وغیرہ کے بارے میں احکام کی تفصیل کیا ہے؟ آیا ان کی تعمیل سرعام ہونی چاہیے، ان سزاؤں کو سرعام نافذ کرنے کے احکام لازمی نوعیت کے ہیں یا ان کو کھلے عام نافذ نہ کرنا حکام کی صوابدید پر موقوف ہے؟

نکتہ (الف) کے سلسلے میں شرعی احکام کی تفصیل حسب ذیل ہے:

۱: اگر کسی قتل عمد پر جرم ثابت ہوجاتا ہے اور ورثائے مقتول مصالحت پر تیار نہیں ہوتے تو قاتل پر سزائے موت کے نفاذ کے سلسلے میں تلوار سے قصاص لینے کا حکم ہے جیسا کہ حدیث شریف میں ارشاد ہے: ”لا قود الا بالسیف“ قصاص تلوار سے ہی ہے۔ (ابوداؤد، ج: ۱، ص: ۳۲۶، حدیث: ۴۳۶۲)

۲: زانی محصن پر اثبات جرم کے بعد سنگساری کا حکم ہے چناں چہ مختلف احادیث صحیحہ میں اس کا حکم آیا ہے کہیں لفظ ”فارجموہ“ آئے ہیں اور بعض میں ”وللعاھر الحجر“ زانی کے لیے پتھر کے الفاظ آئے ہیں۔ (نیل الاوطار، ج: ۷۵/۳)

۳: اگر کوئی شر پسند اسلامی معاشرے میں فساد فی الارض کا مرتکب قرار پائے تو جرم کی سنگینی اور درجات کے لحاظ سے آخری سزا کے طور پر سولی پر چڑھایا جائے گا جیسا کہ سورۂ مائدہ آیت: ۳۳ میں ارشاد ہے:

﴿اِنَّمَا جَزٰٓؤُا الَّذِيْنَ يُحَارِبُوْنَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ وَ يَسْعَوْنَ فِي الْاَرْضِ فَسَادًا اَنْ يُّقَتَّلُوْٓا اَوْ يُصَلَّبُوْٓا اَوْ تُقَطَّعَ اَيْدِيْهِمْ وَ اَرْجُلُهُمْ مِّنْ خِلَافٍ اَوْ يُنْفَوْا مِنَ الْاَرْضِ ط﴾

(المائدۃ: ۳۳)

۴: مرتد کو قتل کیا جائے گا۔ جیسا کہ حدیث میں ارشاد ہے: ”من بدّل دینه فاقتلوه“۔ (بخاری، ابوداؤد، ترمذی، نسائی) عن ابن عباس وفی روایة لاحمد ”قضی الله ورسوله ان من رجع عن دینه فاقتلوه.“ (امام شوکانی رحمہ اللہ نے اس روایت کو صحیح قرار دیا ہے۔ ملاحظہ ھو نیل الاوطار، ج: ۸، ص: ۴۰۳ دارالجیل بیروت ۱۹۷۳ء)

مذکورہ بالا چاروں نکات کے مطابق عہد رسالت ﷺ سے لے کر تاحال امت مسلمہ میں سزائے موت دینے کے چاروں طریقے رائج رہے ہیں۔

اسلام کے صدر اوّل کے دوران زیادہ تر تلوار سے سر قلم کرنے کا دستور رائج رہا ہے تاہم عہد رسالت ﷺ کے دوران بعض روایات کے مطابق قصاصاً پتھر سے سر کچلنے کا ثبوت بھی ملتا ہے۔ اسی طرح

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد میں ایک ذمی کی ایک مسلمان خاتون پر دست درازی کے اقدام شکایت پر اسے سولی پر چڑھانے کا واقعہ بھی کتب احادیث میں ملتا ہے۔ ملاحظہ ہو کنز العمال، ج:۵،ص:۴۵۲ میں مندرجہ ذیل اثر:

عن سويد بن غفلة ان رجال من اهل الذمة نخس بإمرأة من المسلمين حمارها، ثم جابذها، فحال بينه وبينها عوف بن مالك فضربه، فأتى عمر وذكر ذلك له، فدعا بالمراة، فسالها فصدقت عوفا، فامر به فصلب، ثم قال عمر: أيها الناس اتقوا الله فى ذمة محمد، فلا تظلموهم، فمن فعل منهم مثل هذا فلا ذمة له. (مصنف عبدالرزاق، ص: ٣٤٢، حديث: ١٣٤١٦)

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے عہد میں ایک عورت جس پر بدکاری کا جرم ثابت ہوگیا تھا آپ نے اس کو سنگسار کرایا۔ اس سلسلے میں لوگوں کی کثیر تعداد کی شہادت یہ ثابت کرتی ہے کہ اس کو سرعام سنگسار کیا گیا تھا۔

عن الشعبى أن عليا أتى بإمرأة من همدان ثيب حبلى يقال لها شراحة قد زنت، فقال لها على: لعل الرجل استكرهك؟ قالت: لا، قال: فلعل الرجل قد وقع عليك وأنت راقدة؟ قالت لا قال: فلعل لك زوجا من عدونا هولاء وانت تكتمينه؟ قالت: لا، فحبسها، حتى إذا وضعت جلدها يوم الخميس مائة جلدة، رجمها يوم الجمعة، فامر فحفر لها حفرة بالسوق فدار الناس عليها فضربهم بالدرة، ثم قال: ليس هكذا الرجم، إنكم أن تفعلوه هكذا يقتل بعضكم بعضا، ولكن صفوا كصفوفكم للصلاة، ثم قال: يا ايها الناس، ان اوّل الناس يرجم الزانى الامام اذا كان الاعتراف، واذا شهد أربعة شهداء على الزنا فان اوّل الناس يرجمه الشهود لشهادتهم عليه، ثم الإمام ثم الناس، ثم رماها بحجر وكبر، ثم أمر الصف الاوّل فقال: ارموا، ثم قال: انصرفوا وكذا صفا صفا حتى قتلوها، ثم قال: افعلوا بها ما تفعلون بموتاكم. (كنز العمال: ٥/ ٤٢١)

جیسا کہ امیر المومنین کے عمل سے ثابت ہوتا ہے آپ رضی اللہ عنہ نے بازار میں اس عورت کے لیے گڑھا کھدوایا۔ لوگوں نے اس کے گرد گھیرا ڈال لیا تو آپ رضی اللہ عنہ نے درّوں سے ان کی گوشمالی کرتے ہوئے فرمایا تم اس طرح تو ایک دوسرے کو مار ڈالو گے، نماز کی طرح صفیں بنا کر سنگسار کرو پھر ان سے مخاطب ہوئے، فرمایا اے لوگو! اگر جرم زنا مجرم کے اقبالِ جرم سے ثابت ہو تو سب سے پہلے امام سنگساری شروع کرے گا۔ اگر گواہیوں سے ثابت ہو تو گواہ اپنی گواہی کی بناء پر ایسا کریں گے پھر امام پھر عام لوگ۔ پھر آپ نے پہلا پتھر خود مارا اور کلمہ تکبیر بلند کیا پھر لوگوں کی پہلی صف کو کہا تم سنگساری کرو، پھر فرمایا تم چلے جاؤ۔ چناں چہ لوگوں سے صف بہ صف سنگساری کراتے ہوئے اس زانیہ پر سزائے رجم کا نفاذ کیا گیا۔ آپ رضی اللہ عنہ نے پھر فرمایا تم اس پر وہ معاملہ (تجہیز وتکفین ونماز جنازہ) پڑھو جس طرح تم اپنے (دیگر) مرنے والوں پر کرتے ہو۔

بخاری اور مسلم شریف کی روایات کے مطابق ماعز اسلمی نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر اقبال جرم کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تو نے چار مرتبہ اقبالِ جرم کر کے اپنے اوپر سزا لازم کر لی۔ چناں چہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے فرمایا کہ اس کو لے جاؤ اور رجم کر ڈالو۔ چناں چہ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

فى حديث جابر المذكور صرخ ياقوم الخ انه لم يفر ووقع فى حديث ابى سعيد عند مسلم والنسائى وابى داؤد واللفظ له قال لما امر

رسول الله ﷺ برجم ماعز بن مالك خرجنا الى البقيع فوالله ما أوثقناه ولا حفرنا له ولكنه قام لنا قال ابوكامل: فرميناه بالعظام والمدر والخزف فاشتد واشتددنا خلفه حتى أتى عرض الحرة فانتصب لنا فرميناه بجلاميد الحرة حتى سكت. (ابوداؤد، ج: ٦، ص: ٢٥۔ امام شوکانی رحمہ اللہ نے اس روایت کو صحیح قرار دیا ہے۔ ملاحظہ ہو: نیل الاوطار، ج: ٧، ص: ٢٦٩)

''میں ان لوگوں میں سے تھا جنہوں نے اس کو عیدگاہ (مصلیٰ) میں رجم کیا جب اس کو پتھر لگے تو وہ وہاں سے دوڑ پڑا ہم نے اس کو پیچھے بھاگ کر پکڑ لیا، ابوداؤد کی روایت کے مطابق راوی (حضرت جابر رضی اللہ عنہ) بیان کرتے ہیں، ہم جنت البقیع کی طرف اس کو لے گئے پس قسم خدا کی نہ ہم نے اس کے لیے گڑھا کھودا نہ اس کو باندھا بلکہ وہ ہمارے لیے کھڑا ہوگیا، پھر ہم نے اس کو ہڈیوں، گول اور چپٹے پتھروں سے سنگسار کرنا شروع کیا، وہ بھاگ نکلا ہم بھی اس کے پیچھے بھاگے حتی کہ حرہ کے علاقہ میں اس اس کو آلیا پھر وہ ہمارے سامنے جم کر کھڑا ہوگیا، سو ہم نے اس کو حرہ کے چوڑے چوڑے پتھروں سے سنگسار کرڈالا۔''

جہاں تک نکتہ (ب) (کوڑوں کی سرعام سزا کے بارے) میں اٹھائے گئے مسئلہ کا تعلق ہے سطور بالا میں منقول روایات سے یہ امر بخوبی واضح ہوگیا کہ ماعز اسلمی کی سزائے رجم (سزائے موت) شراحۃ کی سنگساری اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں ایک مسلمان خاتون پر دست درازی کے مجرم کی سزائیں سرعام ہی نافذ کی گئیں۔

جہاں تک سزائے تازیانہ کے سرعام لگانے کا تعلق ہے تو یہ امر تو قرآنِ مجید کی آیت سے ثابت ہوجاتا ہے کہ ﴿**وليشهد عذابهما طائفة من المومنين**﴾ (نور: ٢) اگرچہ طائفہ کے مفہوم اور تعیین میں اہل علم میں اختلاف پایا جاتا ہے کہ کتنے لوگوں کے اجتماع پر طائفہ کا اطلاق ہوسکتا ہے بعض کے نزدیک کم از کم تین مومنین پر اس کا اطلاق ہوسکتا ہے اور بعض کے نزدیک چالیس یا اس سے بھی زائد تعداد پر طائفہ کا لفظ بولا جاتا ہے لیکن اسلامی سزاؤں کی حکمت اور مذکورہ بالا احادیث، عہد رسالت (ﷺ) کی مثالوں اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے تعامل کو سامنے رکھا جائے تو یہ بات آسانی سے سمجھ میں آجاتی ہے کہ اسلامی سزائیں دوسروں کو عبرت دلانے کے لیے ہیں جیسا کہ سورۂ نور کی آیت کریمہ اور آثار مذکورہ بالا سے ثابت ہے تاکہ دوسرے لوگوں کو سبق حاصل ہو، اس کے ثبوت کے لیے مندرجہ ذیل احادیث اور آثار بطور سند پیش کیے جاتے ہیں:

١: عہد رسالت ﷺ کے دوران شراب نوشی کی سزا سرعام اور ہجوم میں دی جاتی رہی چوں کہ ہجوم میں لوگ اس کو جوتوں، رسیوں، اور کوڑوں سے مارتے تھے اس خوف سے کہ مبادا کوئی دشمنی میں اس پر قاتلانہ وار کرجائے، اس کو کھلم کھلا کوڑے لگوائے جانے لگے۔ (ملاحظہ ہو روایت مصنف عبدالرزاق: ١٣٦٧٩)

عن نجدة الحنفي قال: سألت ابن عباس كيف كان الضرب في الخمر؟ قال: بالأيدي والنعال، فخفنا ان يأتيه عدوه في زحام الناس فيقتله فجعلناه ضربا علانية بالسياط. (ابن جریر)

٢: عہد فاروقی رضی اللہ عنہ میں بعض لوگوں نے شراب نوشی کے لیے من گھڑت تاویلیں پیش کرنا شروع کردیں تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے علاقہ کے گورنر حضرت عبیدہ رضی اللہ عنہ بن جراح کو تاویل پیش کرنے والوں سے سرعام (علی رؤس الاشہاد) استفسار کرنے کے لیے لکھا جیسا کہ مصنف عبدالرزاق نے روایت کیا ہے:

عن سيف بن عمر عن الربيع وأبي المجالد وأبي عثمان وأبي حارثة قالوا: كتب أبو عبيدة الى عمر ان نفرا من المسلمين اصابوا الشراب منهم ضرار وابو جندل فسالناهم فتأولوا، وقالوا: خير نا فاخترنا، قال: فهل

أنتم منتهون ولم يعزم، فكتب إليه عمر فذلك بيننا وبينهم، فهل انتم منتهون يعنى فانتهوا: وجمع الناس فاجتمعوا على ان يضربوا فيها ثمانين جلدة ويضمنوا النفس ومن تأول عليها بمثل هذا فان ابى قتل، وقالوا: ومن تاول على ما فسر رسول الله ﷺ منه يزجر بالفعل والقتل، فكتب عمر إلى أبى عبيدة ان ادعهم، فان زعموا انها حلال فاقتلهم، وان زعموا انها حرام فاجلدهم ثمانين، فبعث اليهم فسألهم على رؤس الأشهاد، فقالوا: حرام فجلدهم ثمانين وحد القوم وندموا على لجاجتهم وقال: ليحدثن فيكم يا اهل الشام حادث فحدثت الر ماده (ن).

(ملاحظہ ہو: كنز العمال: ٤٧٦/٥)

جیسا کہ حوالہ بالا سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے امیر لشکر کو ہدایت فرمائی کہ اگر وہ لوگ شراب کو حلال سمجھ کر پیتے ہیں تو (شرعی حکم کی توہین کی پاداش میں انہیں زندیقیت کی سزا میں) قتل کیا جائے تا کہ لوگوں کو اس سے عبرت اور ڈر پیدا ہو اور اگر وہ حرام سمجھ کر پیتے ہوں تو پھر (بدعملی کی) سزا میں ان کو اسّی کوڑے لگاؤ۔ چناں چہ امیر لشکر نے اجتماع عام کیا اور اس میں ان سے پوچھنے کے بعد ان پر حد شراب نوشی میں اسّی کوڑے لگائے۔

اسی واقعہ کی شہادت میں دوسری روایت یہ ثابت کرتی ہے کہ حضرت عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ نے اجتماع عام میں ان کے بارے میں فیصلہ کر کے ان پر حد لگوائی۔

عن الحكم بن عيينة والشعبى قالا: لما كتب ابوعبيدة فى أبى جندل وضرار بن الأزور، جمع الناس فاستشارهم فى ذلك الحديث فأجمعوا ان يحدو فى شرب الخمر والسكر من الأشربة حد القاذف وان مات فى حد من هذا الحد فعلى بيت المال ديته لانه شىء رواه سيف بن عمر. (ملاحظه هو كنز العمال، ج: ٥، ص: ٤٧٧، رقم: ١٣٦٧١)

ایک روایت میں یہ الفاظ آئے ہیں "فسألهم على روس الاشهاد" یعنی بڑی تعداد کے سامنے ان سے شراب پینے کی تاویل پوچھی۔ علی روس الاشهاد بھی اس امر کا ثبوت ہے کہ یہ واقعہ مجمع عام میں ہوا تھا۔ (ملاحظہ ہو: كنز العمال، ج: ٥، ص: ١٤٢)

صحیح روایات میں آیا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے شام میں اپنے گورنروں کو جھوٹے گواہوں کے بارے میں لکھا کہ ان کو چالیس چالیس درے لگائے جائیں، منہ کالا کیا جائے، سر منڈایا جائے اور اس کی پگڑی اس کے گلے میں ڈال دی جائے اور پھر قبائل میں اس کو پھرا کر اعلان کیا جائے کہ یہ جھوٹا گواہ ہے اس کی گواہی نہ قبول کرنا۔

(ملاحظہ ہو: سنن البيهقى، ج: ١٠، ص: ١٤٢)

قاضی شریح کے پاس جب کوئی جھوٹا گواہ آتا تو اس کی پگڑی اتار دیتے (کھینچ لیتے) درّہ سے جھنجھوڑے لگاتے اور پھر اس کو مسجد میں لوگوں کو بتانے کے لیے بھیجا جاتا۔

(ملاحظہ ہو: سنن البيهقى، ج: ١٠، ص: ١٤٢)

مسلم شریف کی ایک حدیث کے مطابق عہد رسالت ﷺ میں مجاہدین کے جہاد پر روانہ ہوجانے کے بعد ایک شخص عورتوں کو ہراساں کرتا تھا حتی کہ روایات کے مطابق وہ ان کے پیچھے اس پر بو، بو کرتا تھا جس طرح بکرا بکریوں کے پیچھے کرتا ہے اس کی شکایت ملنے پر آنحضرت ﷺ نے فرمایا تھا کہ اس کو ایسی سزا دوں گا جو لوگوں کے لیے باعث عبرت ہو۔ ملاحظہ ہو ارشاد رسالت ﷺ:

وعنه قال: أتى النبى ﷺ بماعز بن مالك رجل قصير فى ازار ما عليه رداء ورسول الله ﷺ متكىء على وسادة على يساره يكلمه، وما ادرى وانا بعيد بينى وبينه القوم، ثم قال:

اذهبوا به ، ثم قال: ردوه فكلمه وأنا أسمع غير ان بينـي وبينـه الـقوم ، ثم قـال: اذهبوا بـه فـارجموه ، ثم قام النبی ﷺ خطيباً فقال: كلما نـفـرنـا فـی سبيـل الله خلف احدهم له نبيب كـنبيـب التيـس يـمنح احداهن من الكثبة من الـلبـن ، والـله والله لا أقدر على أحدهم الا نكلت به . (ترغيب)

۳: مذکورہ بالا نصوص، احادیث آثار اور فقہاء کی آراء سے یہ امر پایہ ثبوت کو پہنچ جاتا ہے کہ اسلامی فلسفہ عقوبات وتعزیر کی رو سے سزائیں لوگوں کی عبرت اور زجر وتوبیخ کے لیے ہوتی ہیں۔اس لیے ان کو سر عام لگانا چاہیے یا نافذ کرنا چاہیے تا کہ لوگوں میں قانون کے احترام کا ڈر پیدا ہو جیسا کہ درج ذیل فقہی عبارت سے بھی یہ حقیقت اظہر من الشمس ہو جاتی ہے۔(ملاحظہ ہو بدائع الصنائع، ج: ۷، ص: ۶۱)

وینبغی ان تقام الحدود كلها فی ملاء من الناس لـقـولـه تبارك وتعالٰی عز اسمه وليشهد عذابهما طائفة من المومنين والنص وان ورد فی حد الزنا لـكـن الـنـص الـوارد فيـه يكون واردا فی سائر الـحـدود دلالة لان الـمقصود من الحدود كلها واحـد وهو زجر العامة وذلك لا يحصل الا وان تـكـون الاقـامة عـلی رأس العامة لأن الحضور يـنـزجرون بأنفسهم بالمعانية والغيب ينزجرون باخبار المحضور فيحمل الزجر للكل .

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عمال حکومت کے بارے میں عوام کو شکایات پیش کرنے کی آزادی کے ساتھ ان پر زیادتی کی صورت میں قصاص دلوانے کا بندوبست بھی کیا تھا۔ چناں چہ ایک شکایت کنندہ نے ایک گورنر کے بارے میں شکایت کی کہ اس نے اس پر ناجائز کوڑے مارے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مجمع عام میں اس عامل کو سو کوڑے لگوائے۔ حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ گورنر مصر نے اس ضابطہ پر اعتراض کیا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا ''یہ نہیں ہوسکتا کہ میں ملزم سے انتقام نہ لوں۔'' چناں چہ حضرت عمرو رضی اللہ عنہ نے مستغیث کو ایک ایک کوڑے کے بدلے دو دو اشرفی پر صلح کر کے اس سے کوڑے معاف کرائے۔(ملاحظہ ہو الفاروق، ص: ۲۰۱)

قدامہ بن مظعون بحرین کے گورنر کے خلاف شراب نوشی کی شکایت ملی تو آپ نے ان سے رشتے داری اور ان کے بلند عہدہ پر فائز ہونے کے باوجود ان کو اسّی درّے سر عام لگوائے۔

(ملاحظہ ہو الفاروق، ص۳۰۹)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد میں حضرت امّ ورقہ رضی اللہ عنہا (مشہور صحابیہ) کو ان کے غلام اور لونڈی تاریکی شب میں قتل کر کے فرار ہوگئے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے حکم سے ان کو گرفتار کیا گیا پھر ان کو سولی چڑھایا گیا۔(ملاحظہ ہو: ابوداؤد مع عون المعبود، ج: ۱، ص: ۲۳۳، كتاب الصلاة، امامة النساء)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دور میں گورنر تھے۔ایک شخص نے اگر ایک مقام پر عہدہ دار بنانے کی درخواست کی اور اس تقرری کے لیے ایک لاکھ درہم بطور رشوت بھی پیش کیے انہوں نے اس کو سو کوڑے بھی مارے اور پھر سولی پر بھی چڑھایا گیا۔

(ملاحظہ ہو: احکام السلطانیہ، ص: ۱۷۶)

سولی اور کوڑوں کے علانیہ سزا کے علاوہ لوگوں میں زجر وتوبیخ پیدا کرنے کے لیے اسلام نے چوری کی سزا کو لفظ نکال سے تعبیر کیا ہے۔اس لفظ نکال کا معنی خود عبرت آموز سزا ہے۔ جو دوسروں کے لیے باعث عبرت ہو۔جیسا کہ قرآن مجید میں آیا ہے:

﴿فَجَعَلْنٰهَا نَكَالًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهَا وَ مَا خَلْفَهَا وَ مَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِيْنَ۝﴾ (البقرة: ٦٦)

''ہم نے ان کی سزا کو ''نکال'' بنا دیا جو ان کے سامنے تھے یعنی ان کے معاصرین کے لیے اور بعد میں آنے والی نسلوں کے لیے اور اسے باعث نصیحت بنا دیا تمام متقین کے لیے۔''

چناں چہ قرآنِ مجید میں آیا ہے:

﴿وَ السَّارِقُ وَ السَّارِقَةُ فَاقْطَعُوْ آ اَيْدِيَهُمَا جَزَآءً ۢ بِمَا كَسَبَا نَكَالًا مِّنَ اللّٰهِ ؕ﴾ (المائدۃ: ۳۸)

''چور مرد اور چور عورت تم ان دونوں کے ہاتھ کاٹ ڈالو ان کے کرتوت کے بدلے میں (یہ حکم اللہ تعالیٰ کا ہے) یہ اللہ کی طرف سے سامانِ عبرت ہے۔''

اس قرآنی ارشاد پر تاریخ اسلام علمی گواہی پر ہی ختم نہیں ہو جاتی بلکہ حضور ﷺ اور خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم نے اس کو نافذ کر کے عملی تعبیر بھی پیش کی۔ چناں چہ حضور ﷺ کے دور میں بھی جب ایک چور کا ہاتھ کاٹا گیا تو اس کٹے ہوئے ہاتھ کو اس کے گلے میں لٹکایا۔ (ملاحظہ ہو: سنن ابن ماجہ، ج: ۲، ص: ۸۲۳، حدیث: ۲۵۸۷ ترمذی، ابوداؤد، باب قطع السرقۃ)

اسی طرح حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دور میں بھی ایک چور کا ہاتھ رسغ گٹے سے کاٹا گیا اور جناب امیر المومنین نے اس کا وہ ہاتھ اس کی گردن میں لٹکا دیا۔

ایک روایت میں یہ بھی آتا ہے کہ وہ ہاتھ کاٹ کر اس بازار میں لٹکا دیا گیا تاکہ لوگوں کو عبرت ہو۔

عن ابن محيريز قال: سالت فضالة بن عبيد عن تعليق اليد فى العنق، فقال السنة: قطع رسول الله ﷺ يد رجل ثم علقها فى عنقه.

(رواہ ابن ماجہ: ۲، ص: ۸۲۳، حدیث: ۲۵۸۷)

دلائل مذکورہ بالا کی روشنی میں یہ ادعا غلط نہیں ہوگا کہ سرعام سزا دہی سے انسانیت کی توہین نہیں ہوتی کیوں کہ یہ معاشرے سے جرائم کے خاتمہ کے لیے جرائم پیشہ افراد کو دی جاتی ہے اس سے انسانی معاشرے اور قانون کا وقار ہوتا ہے اور ایسی علانیہ سزا دینا انسانیت کا وقار بحال کرنا ہے۔

وآخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمين.



اسلامی معاشرہ

اسلامی ریاست میں غیر مسلموں کے حقوق

حافظ حامد حماد (میاں چنوں)

اس وسیع وعریض اور عظیم الشان کائنات کا خالق و مالک صرف اور صرف خدائے باری تعالیٰ ہے۔اس نے ہر چیز پیدا کرنے کے بعد اسے یہ بھی سکھلا دیا کہ اس کا کام کیا ہے:

﴿ رَبُّنَا الَّذِیْٓ اَعْطٰی کُلَّ شَیْءٍ خَلْقَهٗ ثُمَّ هَدٰی ﴾

''ہمارا رب وہ ہے جس نے ہر چیز کو پیدا کیا پھر اسے ہدایت بخشی۔'' (طه: ٥٠)

جمادات ونباتات کو بھی اپنی ہدایات بخشیں اور جن وانس کو بھی۔ اگرچہ جمادات ونباتات میں الٰہی ہدایات سے روگردانی کا کوئی داعیہ موجود نہیں جبکہ جن وانس کو اختیار دے دیا گیا کہ اگر چاہیں تو الٰہی ہدایت کے مطابق چلیں چاہیں تو اس کی مخالفت میں زندگی گزار لیں۔انعام یا سزا اگلی زندگی میں ہوگا۔

پہلی قسم کی مخلوق یعنی جمادات وغیرہ کو جو ہدایات بخشی گئیں، انھیں قوانین فطرت یا تکوینی نظام کا نام دیا گیا ہے۔ سائنس کا موضوع یہی قوانین فطرت اور ان کی دریافت ہے۔

دوسری طرف جن وانس کو زندگی کے لیے جو ہدایات دی گئی ہیں انھیں شریعت کہا جاتا ہے۔شریعت ایسے اصول وقواعد کا نام ہے جن کے مطابق جن وانس نے اپنے اختیار وارادہ کو استعمال میں لانا ہوتا ہے۔انسان کی دنیا وآخرت کی کامیابی کا انحصار شریعت کے مطابق عمل کرنے پر ہے۔

تخلیق آدم سے لے کر آنحضرت ﷺ تک مختلف ادوار میں اللہ نے مختلف شریعتیں نازل فرمائیں۔سب سے آخر میں نبی آخرالزماں ﷺ پر جو شریعت نازل کی، وہ پچھلی تمام شرائع کے لیے ناسخ بھی ہے اور آئندہ قیامت تک کے لوگوں کے لیے آسمانی ہدایت بھی۔اب جو شخص اس آخری شریعت پر ایمان لے کر آئے وہ مسلم ہے اور جو ایمان نہ لائے وہ غیر مسلم۔

اس طرح پوری انسانیت مسلم اور غیر مسلم دو گروہوں میں بٹ جاتی ہے۔حقیقی کامیابی پہلے گروہ ہی کے لیے ہے:

﴿وَ مَنْ یَّبْتَغِ غَیْرَ الْاِسْلَامِ دِیْنًا فَلَنْ یُّقْبَلَ مِنْهُ ۚ وَ هُوَ فِی الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِیْنَ ﴾ (آل عمران: ٨٥)

''جو کوئی اسلام کے علاوہ کسی اور دین کی پیروی کرے گا، وہ اس سے قبول نہیں کیا جائے گا اور وہ آخرت میں نقصان اٹھانے والوں میں سے ہوگا۔''

پہلا گروہ یعنی مسلمان طبقہ اپنی افرادی زندگی میں بھی اور اجتماعی زندگی میں بھی تعلیمات الٰہیہ کی پابندی کرتا ہے۔اسے مکمل طور پر اسلام میں داخل ہوجانے کا حکم ہے۔

﴿ اُدْخُلُوْا فِی السِّلْمِ کَآفَّةً ﴾ (البقرة: ٢٠٨)

''اسلام میں پورے کے پورے داخل ہوجاؤ۔''

اجتماعی زندگی میں ضابطہ الٰہی کی پاسداری کے نتیجے میں اسلامی ریاست وجود میں آتی ہے۔جس کا مقصد ایسی زندگی کی تشکیل ہوتا ہے جو خداوند قدوس کو مطلوب ہو۔

اس اسلامی ریاست کا نظم ونسق اور زمام کار مسلمانوں کے ہاتھ میں ہوتا ہے تاکہ تمام امور اسلامی تعلیمات کی روشنی میں انجام پائیں۔ ظاہری بات ہے کہ اس ریاست کے بہت سے باشندے ایسے بھی ہوں گے جن کا تعلق دوسرے گروہ یعنی غیر مسلموں سے ہوگا۔کیا اسلامی ریاست ایسے باشندوں کو ریاست سے خارج کردے یا ان کے لیے وہاں رہنے کی کوئی گنجائش ہے؟ ان کے حقوق کیا ہیں؟ اسلام کے قوانین میں ان سب سوالوں کے کافی وشافی جواب موجود ہیں۔ کیوں کہ اسلام صلح وآشتی کا دین ہے۔اس میں اس بات کی

گنجائش موجود ہے کہ کوئی شخص اسے قبول نہ کرے تو جبراً کسی کو اسلام قبول نہیں کروایا جائے گا۔

﴿لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ قَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ﴾

''دین میں کوئی جبر نہیں بلاشبہ ہدایت گمراہی سے صاف واضح ہوچکی ہے۔'' (البقرہ : ۲۵۶)

اگر چہ اسلامی ریاست میں ہر شخص اپنا دین و مذہب اختیار کرنے میں آزاد ہوتا ہے مگر اقتدار ریاست میں اس کا کوئی تعلق نہیں۔ اسلام دین عدل ہے اور قیام عدل اس کا مقصد۔ دنیا میں امن و امان اور عدل و انصاف کے قیام کے لیے اسلام یعنی الٰہی قانون کا نفاذ ضروری ہے۔

اسلامی ریاست میں غیر مسلموں کو وہ تمام حقوق حاصل ہوتے ہیں جن پر انسانی حقوق کا اطلاق ہوتا ہے۔ان کی جان و مال اور عزت وآبرو کی حفاظت اسلامی ریاست کی ذمہ داری ہوتی ہے اگر وہ اسلامی قوانین کا احترام کریں۔ تاریخ اس بات کی گواہ ہے کہ جہاں کہیں اسلامی ریاست قائم ہوئی، وہاں کے غیر مسلم باشندگان نے پہلے سے زیادہ اطمینان کی زندگی بسر کی۔

اسلامی تعلیمات میں تو غیر مسلموں کو برا بھلا کہنے سے بھی روک دیا گیا ہے۔ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلَا تَسُبُّوا الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَيَسُبُّوا اللّٰهَ عَدْوًاۢ بِغَيْرِ عِلْمٍ﴾ (الانعام : ۱۰۸)

''اور انھیں گالی نہ دو جنھیں یہ لوگ اللہ کے سوا پکارتے ہیں۔پس وہ زیادتی کرتے ہوئے کچھ جانے بغیر اللہ کو گالی دیں گے۔''

اس سے پتہ چلتا ہے کہ اسلام میں کسی دوسرے مذہب کو برا بھلا کہنا یا اس پر طعن و تشنیع کرنا ممنوع ہے۔ مسلمانوں نے اس حکم کی ہمیشہ پاسداری کی۔ اسلامی تاریخ میں ہمیشہ مسلمانوں نے غیر مسلموں کے جذبات کا احترام ملحوظ رکھا۔ کوئی واقعہ ایسا نہیں ملتا جس میں کسی مسلمان نے غیر مسلم کے حق میں کوتاہی کی ہو۔ ہاں اگر کسی سے کوتاہی ہوئی بھی ہے تو اسلامی ریاست نے ایسے کوتاہ بین کی تادیب وتنبیہ اور فہمائش کے ضروری اقدامات کیے۔

رسول اللہ ﷺ اسلامی ریاست میں بسنے والے غیر مسلموں کا بہت لحاظ رکھا کرتے تھے۔آپ ﷺ کا فرمان ہے:

((الامن ظلم معاهد اا وانتقصه او كلفه فوق طاقته اواخذ منه شياء بغير طيب نفس فاناحجيجه يوم القيامة)) (ابو داود، حدیث : ۲٦٥٤)

''یاد رکھو !جس نے کسی معاہد پر ظلم کیا یا اس کے حق میں کوتاہی کی یا اس کی طاقت سے زیادہ اس پر بوجھ ڈالوایا اس سے کوئی چیز اس کی رضامندی کے بغیر لی تو روز قیامت اس کی طرف سے میں جھگڑا کروں گا۔''

یہ تو صرف تنبیہ ہے۔آپ ﷺ نے قانون کے طور پر فرمایا کہ جس شخص نے کسی معاہد کو قتل کیا وہ جنت کی ہوا بھی نہیں پائے گا حالانکہ جنت کی خوشبو چالیس سال کی مسافت سے بھی آجاتی ہے۔

اسلامی ریاست میں بسنے والے غیر مسلموں کو تمام بنیادی انسانی حقوق حاصل ہوتے ہیں تاہم ان کی حیثیت کے پیش نظر ان کے لیے کچھ زائد حقوق بھی ہوسکتے ہیں۔ اسلامی ریاست کے زیر نگیں تین طرح کے غیر مسلم آباد ہوتے ہیں:

۱: معاہدین۔۲: مفتوحین۔۳: مستامنین

معاہدین سے مراد وہ لوگ ہیں جنھوں نے لڑائی کے بغیر اسلامی ریاست کی بالادستی کو تسلیم کرلیا ہو اور اپنے آپ کو اس کی ماتحتی میں دے دیا ہو۔

مفتوحین سے مراد ایسے لوگ ہیں جنہوں نے مسلمانوں کے خلاف جنگ کی ہو مگر شکست کھا کر اطاعت پر مجبور ہو گئے ہوں۔

مستامنین سے مراد ایسے غیر مسلم لوگ ہیں جو ریاست اسلامی کے رعایا تو ہوں مگر وہ جنگ یا صلح کے ذریعے ماتحتی میں نہ آئے ہوں بلکہ ہجرت کر کے یا تجارت کے لیے وہاں آباد ہوئے ہوں۔

تینوں طرح کے لوگوں کو ذمی کہا جاتا ہے اور اسلامی ریاست انھیں بنیادی انسانی حقوق فراہم کرنے کی ذمہ دار ہے۔ البتہ جنھوں نے مصالحت کرلی ہو اور جنھوں نے جنگ میں ہتھیار ڈالے ہوں، دونوں

کے حقوق میں کچھ فرق ہے ذیل میں اسے بیان کیا جاتا ہے۔

معاہدین اوران کے حقوق:

معاہدین سے مراد وہ لوگ ہیں جنھوں نے اسلامی ریاست سے کچھ شرائط پر صلح کرلی ہو۔ ان شرائط کی پاسداری اسلامی حکومت کی بھی ذمہ داری ہے اور اس کے ساتھ ساتھ شرائط صلح یا معاہدے میں موجود تمام شروط کی پابندی غیر مسلموں پر بھی لازم ہے۔ معاہدین کے حقوق کی بنیاد دراصل اسی معاہدے پر ہوتی ہے جو ان کے اور مسلمانوں کے مابین طے پاتا ہے۔فرمودہ مبارک ہے:

((لعلكم تقاتلون قوماً فتظهرون عليهم فيتقونكم باموالهم دون انفسهم و ابناء هم فلا تصيبوا منهم فوق ذلك فانه لا يصلح لكم))

(ابو داود، حديث: ٢٦٥٣)

''اگر تم لڑتے ہوئے کسی قوم پر غالب آجاؤ اور وہ اپنی جان، آل اولاد کو بچانے کی خاطر اپنا کچھ مال تمھیں دے دیں تو پھر طے شدہ مال سے زیادہ لینا تمھارے لیے درست نہیں۔''

یعنی معاہدین سے جس بات پر صلح ہوئی ہے ان سے اس سے زیادہ کا مطالبہ درست نہیں اورانھیں طے شدہ حقوق ادا کیے جائیں گے۔ اسلامی تاریخ میں بہت سے ایسے معاہدوں کا ذکر ملتا ہے جس کے تحت غیر مسلموں نے مسلمانوں سے صلح کی ۔خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کے زمانے میں کئی ایک علاقے صلح کے ذریعے اسلامی ریاست کے زیرنگیں آئے تھے جن سے بلا دصلح کا معاملہ کیا گیا۔

مفتوحین اوران کے حقوق:

یہ وہ لوگ ہیں جنھوں نے اسلامی حکومت کے خلاف جنگ کی اور شکست کھا کر اسلامی حکومت کی اطاعت پر مجبور ہوگئے۔ یہ لوگ جب اسلامی قلمرو میں داخل ہوجاتے ہیں تو اسلامی حکومت ان کے کچھ حقوق محفوظ کرتی ہے ۔ان حقوق کی ادائیگی اسلامی حکومت کے لیے اسی طرح واجب ہے جس طرح شریعت کے دیگر واجبات۔

قلمرو میں داخل ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اسلامی حکومت ان کا جزیہ قبول کرلے۔ جزیہ قبول کرنے سے ان کی جان مال اورعزت وآبرو کی حفاظت اسلامی حکومت کی ذمہ داری ہے۔ جزیہ لینے کے بعد اسلامی حکومت کو دست درازی کا کوئی حق نہیں الا کہ مفتوح قوم بغاوت پر اتر آئے۔ امام ابو یوسف رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ جب تم ان سے جزیہ وصول کر لو تو پھر تمھیں ان کے خلاف پیش قدمی کا کوئی حق باقی نہیں رہتا۔

جزیہ لیتے وقت مفتوح قوم کی معاشی حالت مدنظر رکھی جائے گی بلکہ مختلف طبقوں میں معاشی تفاوت کو دیکھتے ہوئے جزیے کی مقدار مختلف بھی رکھی جاسکتی ہے۔ جزیہ صرف اہل قتال یعنی لڑنے والے جنگجو مردوں پر لگایا جائے گا۔ بچے ،بوڑھے ،عورتیں، راہب وغیرہ اس سے مستثنیٰ ہیں۔ اسی طرح بالکل نادار لوگوں کو بھی اس سے مستثنیٰ رکھا جائے گا جن کی گزر بسر بھی دوسروں کی خیرات پر ہوتی ہے۔

ذمیوں کے عمومی حقوق:

اسلامی ریاست میں بسنے والے غیر مسلموں کے عمومی حقوق ذیل میں بیان کیے جاتے ہیں۔ یہ تمام غیر مسلموں کو حاصل ہیں یعنی وہ مفتوح ہوں، معاہد ہوں یا مہاجر۔ البتہ حربی کا معاملہ کچھ اور ہے۔ حربی سے مراد ایسا غیر مسلم ہے جو اسلامی ریاست سے اعلانیہ بغاوت پر اتر آیا ہو۔

تکریم انسانیت: اسلام تمام انسانوں کی تکریم کا قائل ہے۔ اللہ نے بحیثیت انسان ،انسان کو تکریم بخشی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْٓ اٰدَمَ وَحَمَلْنٰهُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ وَفَضَّلْنٰهُمْ عَلٰي كَثِيْرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيْلًا﴾ (الاسراء: ٧٠)

''ہم نے بنی آدم کو بزرگی دی اور اسے خشکی وتری میں سواریاں دیں اور اسے پاکیزہ چیزوں سے رزق عطا کیا اور اپنی بہت سی تخلیقات پر اسے فضیلت بخشی۔''

ایک دن آپ ﷺ کے پاس سے ایک جنازہ گزرا تو آپ ﷺ کھڑے ہوگئے۔ آپ ﷺ کو بتایا گیا کہ یہ ایک یہودی کا جنازہ تھا۔ آپ ﷺ نے جواب دیا کیا وہ انسان نہیں؟!

(صحيح البخاري: ١٢٢٩)

تحفظِ زندگی:

جس طرح اسلامی ریاست اپنے مسلمان باشندوں کی جان محفوظ رکھنے کا اہتمام کرتی ہے، اسی طرح ذمیوں کی جان کی حفاظت کرنا بھی اسلامی حکومت کا فرض ہے۔ جب وہ جز

((من قتل نفسا معاهداً لم يرح رائحة الجنة وان ريحها لتوجد من مسيرة اربعين عاماً))

(صحیح البخاری، الدیات، حدیث: ۶۴۰۳)

''جس نے کسی غیر مسلم معاہد کو قتل کیا وہ جنت کی خوشبو بھی نہیں پا سکے گا حالانکہ جنت کی خوشبو چالیس سال کی مسافت سے ہی محسوس ہو جاتی ہے۔''

تحفظ مال:

اسلامی ریاست اپنے مسلمان شہریوں کی جان کی بھی محافظ ہوتی ہے اور ان کے مال کی بھی۔ اسی طرح غیر مسلموں کے مال کی حفاظت کا ذمہ بھی اسلامی حکومت پر عائد ہوتا ہے۔ ذمیوں نے جزیہ اس لیے دیا ہوتا ہے کہ ان کی جانیں ہماری جانوں کی طرح اور ان کے مال ہمارے اموال کی طرح محفوظ ہوں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل نجران سے معاہدے میں یہ بات شامل تھی کہ ان کی جانوں، دین، زمین اور اموال پر اللہ اور اس کے رسول کا ذمہ ہے۔

آزادیٔ مذہب:

اسلام اللہ کی بندگی کی ہر طرح دعوت دیتا ہے مگر کسی کو عقائد بدلنے پر مجبور نہیں کرتا، حکمت اور اچھے طریقے سے دعوت دینا اسلام کا اصولِ تبلیغ ہے۔ اپنے نظریات تسلیم کروانے کے لیے دباؤ ڈالنا اسلام کے ممنوعات میں داخل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلامی ریاست میں غیر مسلموں کو اپنے مذہب پر قائم رہنے کی اجازت ہے:

''تیرے پروردگار کی اگر یہ مشیت ہوتی (کہ زمین میں سب مؤمن اور فرماں بردار ہی ہوں) تو سارے اہل زمین ایمان لے آئے ہوتے۔ کیا تو لوگوں کو مجبور کرے گا کہ وہ مؤمن ہو جائیں۔'' (یونس: ۹۹)

بہر حال اسلامی ریاست میں غیر مسلموں کو اپنے مذہب پر قائم رہنے کی آزادی حاصل ہے اور ریاست ان کے عقیدہ وعبادت سے تعرض نہیں کرے گی۔

حق عدل:

اسلام عدل وانصاف کا دین ہے۔ اسلامی ریاست کے مقاصد قیام میں سے ایک یہ ہے کہ عدل کا بول بالا کیا جائے اور لوگوں کو ظلم سے باز رکھا جائے۔ ارشاد باری تعالی ہے:

''اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اللہ کی خاطر راستی پر قائم رہنے والے اور انصاف کی گواہی دینے والے بن جاؤ۔ کسی گروہ کی دشمنی تمھیں اتنا مشتعل نہ کردے کہ انصاف سے پھر جاؤ۔ عدل کرو یہ تقویٰ کے زیادہ قریب ہے۔'' (المائدۃ: ۸)

اسلامی ریاست کی ماتحتی میں رہنے والے غیر مسلموں کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ ریاست سے خاتمہ ظلم کا مطالبہ کریں۔ ان کے مظلوم کی مدد کرنا اسلامی حکومت کی ذمہ داری ہے۔

حق معیشت:

حق معیشت سے مراد کاروبار کی آزادی ہے۔ یعنی اقتصادی حوالے سے ان پر کوئی پابندی نہیں ہے۔ وہ جونسا کاروبار چاہیں کر سکتے ہیں۔ سوائے ایسے کاروبار کے جو مسلمانوں کے لیے بھی ممنوع ہے۔ در اصل ایسے کاروبار پورے معاشرے کے لیے تباہ کن ہوا کرتے ہیں مثلاً سودی کاروبار جو لوگوں کے اجتماعی مفاد کے لیے نقصان دہ ہے، ذمیوں کے ساتھ ساتھ مسلمانوں کو بھی اس کی اجازت نہیں۔

فقہاء کی نظر میں خرید وفروخت اور تمام مالی معاملات میں اہل ذمہ مسلمانوں ہی کی طرح ہیں۔ اگر کوئی ذمی بڑھاپے یا کسی اور معذوری کی وجہ سے نادار ہے تو اسلامی حکومت پر بیت المال سے اس کی کفالت کرنا اسی طرح ضروری ہے جس طرح کسی مفلس معذور مسلمان کی یعنی بیت المال جہاں مسلمانوں کی کفالت کرتا ہے وہاں غیر مسلم ذمیوں کی کفالت بھی اس کے ذمے ہے۔

بہر حال اسلامی ریاست میں غیر مسلموں کو وہ تمام حقوق حاصل ہوتے ہیں جو کسی کو انسان ہونے کے ناطے حاصل ہو سکتے ہیں۔ جان، مال، عزت وآبرو سے لے کر عقیدہ و مذہب کی آزادی تک

جس قدر اسلامی ریاست میں غیر مسلموں کے حقوق کی حفاظت کی گئی ہے، انسانی تاریخ گواہ ہے، کہیں نہیں کی گئی۔

البتہ کچھ عرصے سے، جب سے اسلامی ممالک نے مغلوبیت کا راستہ اختیار کیا ہوا ہے، غیر مسلم اقوام کی جانب سے یہ مسئلہ بڑی شدت سے اٹھایا گیا ہے کہ اسلام غیر مسلموں کے بارے میں کوئی نرم گوشہ نہیں رکھتا۔ مسلمان دفاعی پوزیشن میں ہونے کی وجہ سے اس کا صحیح جواب نہیں پا رہے۔ اصل بات یہ ہے کہ اسلام کو غالب کرنے کی بجائے اسے مغلوب کرنے کے لیے ہم نے کفار کا ساتھ دینا شروع کر دیا ہے۔ ریمنڈ ڈیوس، قاتل قوم (چار پاکستانیوں کے قتل کا ذمے دار) کی رہائی اسی مغلوبیت کا ایک مظہر ہے۔ اسلامی ریاست میں ایسے دہشت گرد قاتل کی معافی کا اختیار خلیفۃ المسلمین کے پاس بھی نہیں ہوا کرتا۔

اب سوال یہ نہیں رہا کہ اسلامی ریاست میں غیر مسلموں کے حقوق کیا ہیں بلکہ سوال یہ ہے کہ مسلمانوں کو ان کے حقوق کیوں نہیں دیے جا رہے؟ ان سے بنیادی انسانی حقوق بھی کیوں چھینے جا رہے ہیں؟ اندریں حالات ہم پر لازم ہے کہ اسلام کو غالب کریں، اس پر کیے جانے والے حملوں کا دندان شکن جواب دیں، اس کے بارے میں پھیلائے جانے والے منفی تاثرات کا ازالہ کریں، پھر یہ ہماری حفاظت کرے گا اور ہمیں غالب کر کے ہماری ساکھ بحال کرے گا۔

''اگر تم اللہ کی مدد کرو گے تو وہ تمھاری مدد کرے گا اور تمھیں ثابت قدم رکھے گا۔'' (محمد: ۷)



حافظ محمد بلال صدیقی کا قتل

جامع مسجد ربانی اہل حدیث اوکاڑا کے خطیب حافظ محمد بلال صدیقی کو ۲۶ مارچ ۲۰۱۱ء کو دو نامعلوم ڈاکوؤں نے فائرنگ کر کے شہید کر دیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون ...... مرحوم اپنی موٹر سائیکل پر گھر جا رہے تھے کہ دو نامعلوم ڈاکوؤں نے انہیں روکا اور گاڑی چھیننے کی کوشش کے دوران فائر کر کے انہیں قتل کر کے فرار ہو گئے۔ ان کے اندوہ ناک قتل پر شہر اوکاڑا میں فوراً ہڑتال کر دی گئی۔ نماز جنازہ میں سیکڑوں افراد شریک ہوئے۔ مولانا قاری محمود الحسن بڈھی مالوی نے جنازہ پڑھایا۔ پس ماندگان میں بیوہ، پانچ بچے سوگوار چھوڑے ہیں۔ اللہ کریم ان کا حامی و ناصر ہو۔ دارالحدیث اوکاڑا میں تعزیتی اجلاس میں ان کے قتل کی شدید مذمت کی گئی۔ (عبداللہ یوسف دارالحدیث اوکاڑا)

میاں عبدالمجید وفات پا گئے

میاں عبدالمجید صاحب گارڈن ٹاؤن لاہور میں گزشتہ دنوں انتقال کر گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون ...... میاں عبدالوحید جماعت اہل حدیث کے ایک مخیّر بزرگ تھے۔ دارالدعوۃ السّلفیہ کے خصوصی معاونین میں بھی ان کا شمار ہوتا تھا۔ وہ گزشتہ کچھ عرصے سے علیل چلے آ رہے تھے۔ بڑے مہمان نواز اور خوش خصال شخصیت تھے۔ ان کی نماز جنازہ جامعہ لاہور الاسلامیہ میں حافظ عبدالرحمٰن مدنی صاحب نے پڑھائی۔ کثیر احباب شریک جنازہ ہوئے۔ کارکنان دارالدعوۃ السّلفیہ مرحوم کے لواحقین کے غم میں شریک ہیں۔ (ادارہ)

مولانا ابوعمار عبدالرحمٰن بلتستانی کو صدمہ

دارالدعوۃ السّلفیہ کے لائبریرین محترم مولانا ابوعمار عبدالرحمٰن بلتستانی صاحب کے والد گرامی جناب عبداللہ صاحب مؤرخہ یکم اپریل ۲۰۱۱ء بروز جمعۃ المبارک بہ قضائے الٰہی وفات پا گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ مرحوم عبداللہ صاحب ایک نیک طینت، خوش اخلاق اور علاقے کی معروف سماجی شخصیت تھے۔ مرحوم کی وفات پر کارکنان دارالدعوۃ السّلفیہ ان کے غم میں شریک ہیں اور مرحوم کی مغفرت و بلندیٔ درجات کے لیے دعا گو ہیں۔ مولانا ابوعمار عبدالرحمٰن بلتستانی صاحب کا رابطہ نمبر 0313-4563026 ہے۔ (ادارہ دارالدعوۃ السّلفیہ)

مذاہب باطلہ

قادیانی خلافت جھوٹی کیوں؟

عطا محمد جنجوعہ

خلافت عثمانیہ کے دور میں مسلمانوں نے یورپ کے مرکز قسطنطنیہ کو مسخر کیا۔ در و دیوار اللہ اکبر کی مہک سے لہلہا اٹھے مسلمانوں کے عدل وانصاف سے متاثر ہوکر مقامی آبادی نے اسلام قبول کرنا شروع کیا تو صہیونی پروٹوکول کی پیش قدمی پر کاری ضرب لگی۔ چناں چہ انہوں نے دیرینہ نسخہ آزمایا۔ پڑوس کی مسلم ریاست نے اسلامی دارالخلافہ پر حملہ کردیا اس لیے مسلم فوج کو جلد واپس آنا پڑا۔ یہودیوں کے دور میں انتقامی منصوبہ کا ردّعمل یہ ہوا کہ جنگ عظیم یورپی اقوام میں ہوئی لیکن اس کا نزلہ مسلمانوں پر گرا کہ یورپی اقوام نے مل کر ۱۹۲۴ء میں خلافت اسلامیہ کا خاتمہ کردیا۔ اور مسلمانوں کی وسیع وعریض سلطنت کو نسلی ولسانی بنیاد پر چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں تقسیم کردیا ان پر طاغوتی قوتوں نے قابض ہوکر وہاں سے اسلامی قانون کو منسوخ کردیا اور مغرب کا جمہوری نظام نافذ کردیا۔

۱۸۵۷ء میں برطانیہ ہندوستان پر قابض ہو چکا تھا لیکن مجاہدین کی گوریلا کارروائیوں نے گوروں کی نیندیں حرام کی ہوئی تھیں۔ تاریخ کے اس دور میں صہیونی خود کاشت پودے مرزا غلام احمد قادیانی نے مسیح موعود ہونے کا دعویٰ کردیا۔ جس نے انگلش حکومت کی اطاعت کو فرض قرار دیا اور ان کے خلاف لڑنا حرام قرار دیا۔

مولانا محمد لدھیانوی، مولانا محمد حسین بٹالوی اور پیر مہر علی شاہ گولڑوی رحمہم اللہ ودیگر علمائے حق نے علمی میدان میں بھرپور مزاحمت کی آخر کار مرزا قادیانی نے مولانا ثناء اللہ امرتسری رحمہ اللہ کے بحث مباحثہ سے تنگ آ کر جھوٹے کے لیے ہیضہ کی موت طلب کی جس کے نتیجہ میں مرزا ۱۹۰۸ء میں ہیضہ کی منہ مانگی موت سے مرگیا۔ لیکن مدمقابل حضرت مولانا امرتسری رحمہ اللہ چالیس سال بعد ۱۹۴۸ء میں فوت ہوئے اور سرگودھا میں مدفون ہیں۔ تاہم قادیانیوں نے مرزا کے بعد خلافت کا سلسلہ شروع کردیا۔ انہوں نے ۲۰۰۸ء میں خلافت احمدیہ قادیانیہ کا صد سالہ جوبلی نمبر شائع کیا جس میں انہوں نے اپنی جھوٹی خلافت کے موقف کی تائید کے لیے جن قرآنی آیات واحادیث کا سہارا لیا حقیقت میں وہ سب پیشین گوئیاں مسیح موعود سے پہلے دور سے متعلق ہیں۔ البتہ عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام کے نزول کے بارے میں ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے:

”حضرت عیسیٰ علیہ السلام دجال کو پا کر قتل کریں گے پھر سات سال تک لوگ اس حال میں رہیں گے کہ دو بندوں کے درمیان کوئی دشمنی نہ ہوگی پھر اللہ تعالیٰ شام کی طرف سے سرد ہوا بھیجے گا اور روئے زمین پر جو بھی ذرّہ برابر ایمان کا حامل ہوگا وہ باقی نہیں رہے گا وہ ہوا کے ذریعے سے فوت ہو جائے گا اس کے بعد برے لوگ باقی رہ جائیں گے۔“

(صحیح مسلم، کتاب الفتن: ۲۹۴۰)

قادیانیوں کو دعوت فکر ہے کہ نزولِ عیسیٰ علیہ السلام کے بعد خلافت علی منہاج النبوۃ کا دور احادیث کی روشنی میں سات سال مذکور ہے۔ جبکہ قادیانی نام نہاد خلافت کو سو سال سے زیادہ عرصہ بیت گیا۔

قرآنِ حکیم کی سورہ نور آیت ۵۵ کی پیشین گوئی میں روحانی کی بجائے خلافت ”فی الارض“ کے الفاظ موجود ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کو خلافت ارضی نصیب ہوئی لطف الرحمٰن محمود قادیانی نے ”خلافت“ جوبلی نمبر میں اسلامی دور کے خلفاء پر بحث مباحثہ کیا۔ خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے بعد کسی دور کو مضبوط تو کسی کو جابر وقاہر ثابت کیا ہے۔

قادیانی اس بات کا جواب دیں کہ جس حدیث کی روشنی میں خلفاء پر تبصرہ کیا ہے اُن کی خلافت صرف روحانی تھی یا ارضی؟ اگر ارضی تھی تو

پھر آپ کو تسلیم کرنا پڑے گا کہ مسیح ابن مریم علیہ السلام کی حکومت وخلافت ارضی ہوگی۔ اس لیے مرزا کا دعویٰ مسیح باطل تھا۔

پاکستان کے سیاسی حالات وواقعات کو مدنظر رکھ کر غور کرو۔ عدلیہ کسی قادیانی کو جرم ثابت ہونے پر سزا دیتی ہے یا کوئی مسلمان کسی قادیانی کی اسلام کے منافی بے ہودہ بکواس سن کر آپے سے باہر ہو کر قانون کو ہاتھ میں لے لے تو امریکہ ویورپی لیڈر سختی سے نوٹس لیتے ہیں اور مغربی میڈیا انسانی حقوق کی پامالی کا واویلا مچاتا ہے۔

افغانستان اور عراق پر امریکی قبضہ کے فوراً بعد مجاہدین نے مزاحمت شروع کر دی جن کی پے در پے کارروائیوں سے نیٹو فوجیوں کی ہلاکت میں اضافہ ہوا تو امریکا میں بش حکومت کے خلاف مظاہرے ہوئے تب بش نے عوام کو اعتماد میں لینے کے لیے برملا کہا کہ دہشت گرد از سر نو خلافت آئیڈیالوجی کو پھیلانا چاہتے ہیں۔

''امریکی صدر بش نے ۱۱/اکتوبر ۲۰۰۶ء کو وائٹ ہاؤس میں تقریر کرتے ہوئے ایک ہی جملہ تین مرتبہ دہرایا کہ عراق میں امریکی فوجیوں کی موجودگی صرف اس لیے ہے کہ دہشت گردوں کو خلافت اسلامیہ جیسی مملکت قائم کرنے سے روکا جاسکے۔ بش نے اپنے خطاب میں مزید کہا کہ دہشت گرد خلافت آئیڈیالوجی کو پھیلانا چاہتے ہیں۔''

(ہفت روزہ ''ندائے ملت'' ۲۶/اکتوبر ۲۰۰۶ء)

اہل مغرب مسلمانوں کی مزاحمتی تحریکوں سے تو اس قدر خائف ہیں لیکن قادیانیوں کی جھوٹی خلافت سے خوفزدہ کیوں نہیں؟ صیہونی تھنک ٹینک کو بخوبی علم ہے کہ قادیانی خلافت اُن کا خود کاشتہ پودا ہے۔ جب کہ حقیقی خلافت کے وارث مسلمان ہی اُن کے ازلی وابدی حریف ہیں۔ کتنے افسوس کا مقام ہے کہ مسلم ریاستوں کی مذہبی وسیاسی جماعتیں مغربی جمہوریت کی ترقی واستحکام کے لیے کوشاں ہیں۔ لیکن نظام خلافت کی بحالی کا نام لینا تک گوارا نہیں کرتیں۔ مسلمانوں کے لیے لمحہ فکریہ ہے۔



سفرنامہ

ملتان کا ایک یادگار علمی سفر

مولانا عمر فاروق سعیدی صاحب، منڈی وار برٹن

سفر بالعموم وسیلہ ظفر ہوتا ہے، بالخصوص جب وہ علمی نوعیت کا ہو۔

راقم کے آباء واجداد ملتان سے تعلق رکھتے ہیں۔ اس لیے اس علاقہ سے میرا ایک جذباتی سا تعلق ہونا فطری بات ہے۔ دادا محترم میاں دین محمد صاحب رحمہ اللہ نے یہاں (جہانیاں سے) نقل مکانی اختیار کی اور پھر ہم کافی حد تک یہاں سے بے تعلق ہوگئے تو ربّ تعالیٰ نے ہماری تعلیم وتربیت کے لیے اسی علاقہ ہی کو مقدر فرمایا۔ میری مراد ہے ''جلال پور پیر والا ضلع ملتان۔''

راقم آج کل جامعہ مرأۃ القرآن والحدیث منڈی وار برٹن (زیر انتظام دارالسلام لاہور) میں فروکش ہے۔

گزشتہ ہفتے شیخ مکرم مولانا محمد رفیق صاحب اثری حفظہ اللہ نے یاد فرمایا کہ مؤرخہ ۲ مارچ ۲۰۱۱ء کو جامعہ دارالحدیث محمدیہ کے طلباء کے مابین تحریری وتقریری مقابلہ ہے اور اس کے لیے آپ کو منصف نامزد کیا گیا ہے۔ تو میں نے ملاقات کے لیے اسے ایک مبارک موقعہ گردانا اور دعوت قبول کر لی اور قبل از وقت پہنچنے کا پروگرام بنا لیا تا کہ اپنے آبائی وطن میں علماء ومدارس کی زیارت کا شرف حاصل کر سکوں۔ چناں چہ ملتان میں حافظ عبدالخبیر صاحب (سابق مدیر مکتبہ دارالفرقان و فاروقی کتب خانہ لاہور) کو اطلاع کر دی اور ۲۸ فروری سوموار کو عشاء کے وقت ان کا مہمان جا بنا۔

یہ سب ہمارے قدیمی کرم فرما ہیں۔ مجھے بالخصوص حافظ عبدالمنعم صاحب مرحوم (مالک فاروقی کتب خانہ) کے ساتھ ہم درس اور ہم مکتب رہنے کا شرف بھی حاصل رہا ہے۔ میرے بڑے مہربان تھے۔ رات ان ہی کے مکان پر بسر ہوئی۔ عزیزان عبدالمقتدر وعبدالتواب کے ساتھ دل کھول کر شخصی، جماعتی اور ان کے کاروباری امور کا تذکرہ ہوا۔ صبح نماز اور درس کے بعد حافظ عبدالخبیر صاحب نے اپنی مسجد (محلّہ قدیر آباد گلی نمبر ۵) کی تعمیر نو کا نقشہ واضح کیا۔

مسجد اہل حدیث قدیر آباد:

یہ وہ عظیم تاریخی مسجد ہے جس کی مولانا قمر الدین رحمہ اللہ نے ڈیڑھ صدی قبل بنیاد رکھی تھی اور پھر ان کے بعد ان کی اولاد میں سے بالخصوص مولانا عبدالتواب رحمہ اللہ نے اسے منارۂ علم ورشد بنایا۔ اور بت کدہ ملتان میں مکتبہ سلفیہ کی طرح ڈالی جسے بعد میں فاروقی کتب خانہ کے نام سے شہرت ملی۔

یہی وہ عظیم مسجد ہے جہاں کسی وقت مولانا ابوسعید محمد شرف الدین دہلوی، مولانا عبدہ الفلاح، مولانا عبدالرحیم حسین خان والے، مولانا محمد اسحٰق چیمہ اور مولانا عبد المتین جھنگوی رحمہم اللہ جیسے اساطین علم درس وتدریس کے فرائض سرانجام دیتے رہے ہیں۔ ملتان کی معروف درسگاہ دارالحدیث محمدیہ، عام خاص باغ، اپنے موجودہ مستقر سے پہلے اسی تاریخی مسجد میں قائم تھی۔ اس مسجد کو اب نئی تعمیر کا جامہ پہنایا جا رہا ہے اور یہ اس کی تیسری تعمیر ہے۔ اللہ کریم کامیاب فرمائے اور برکت دے۔

وقت وقت کی بات ہے کہ علم وعمل اور دعوت وارشاد کا ہما اب دوسروں کے سروں پر جا بیٹھا ہے اور اس عظیم خانوادہ کے افراد کو اب اپنا تعارف کرانا پڑتا ہے...... لله الأمر من قبل ومن بعد ......

حضرت مولانا عبدالتواب رحمہ اللہ کی سیرت میں یہ بات بڑی منفرد نظر آئی ہے کہ وہ اپنے حالات کے تحت تین طلباء کو بالعموم اپنے ساتھ رکھتے اور ان کی جامع تعلیم وتربیت کا بوجھ اٹھاتے تھے، اس طرح وہ

کامل عالم باعمل بن کر اپنے گھروں کو لوٹتے تھے۔[1]

اسی دوران میں نے مرکز ابن القاسم کے مدیر جناب مولانا محمد شریف صاحب چنگوانی سے رابطہ کیا کہ میں آپ سے ملاقات کرنا چاہتا ہوں آپ کا پروگرام کیا ہے؟ تو انہوں نے کہا کہ میں تو ڈیرہ غازی خان کے لیے پابہ رکاب ہوں۔ آپ آئے ہیں تو ذرا جلد ہی آجائیں، میں آپ کا انتظار کرتا ہوں، آپ ناشتہ میرے ساتھ کریں۔ چناں چہ عزیزی عبدالتواب بن عبدالمنعم میرے قائد بنے اور میں ان کو ساتھ لے کر مولانا چنگوانی کے دولت کدہ پر پہنچ گیا، جو مرکز کے ساتھ ہی ملحق ہے۔ ان کے ساتھ ڈیڑھ دو گھنٹے کی مجلس رہی اور موضوع جماعت، جمعیت، مرکز ابن القاسم اور ملتان میں ان کی محنت اور کارکردگی تھی۔

بہت سی مفید باتیں ہمارے علم میں آئیں۔ بالخصوص ان کے ایک ہائی کلاس تعلیمی ادارے ''ایلما'' سے آگاہی ہوئی کہ یہ خوش پوش لوگوں کی ضروریات کے تحت تشکیل کیا گیا ہے اور نصاب میں خالص توحید وسنت کی تعلیمات کو مرکزیت دی گئی ہے۔ ڈیرہ غازی خان اور سندھ کے بعض وڈیروں کے بچے اس ادارے میں تعلیم حاصل کر رہے ہیں اور انہیں کتاب وسنت سے آگاہی مل رہی ہے۔

انہوں نے بتایا کہ ایک معروف پروفیسر اور ان کی اہلیہ جو ایک بڑی ڈاکٹر ہیں، مجھے ملنے کے لیے بالخصوص یہاں آئے، ان کا بچہ ہمارے ہاں پڑھتا ہے۔ انہوں نے نصابِ اسلامیات کی کتاب کی بڑی تعریف کی، جو انگلش میں ہے اور حضرت الامام ابن تیمیہ رحمہ اللہ اور ابن القیم رحمہ اللہ کے ارشادات سے مرتب کی گئی ہے۔ انہوں نے کہا یہ کتاب تو ہمیں پڑھنی چاہیے۔

اسی طرح ملتان شہر اور اطراف واکناف میں جو مدارس اور مساجد تعمیر ہوئی ہیں یا ہو رہی ہیں ان کا ذکر بڑی ہی طمانیت کا باعث بنا۔ انہوں نے بتایا کہ ہماری یہ شارع بوسن جس پر کبھی کوئی اہل حدیث مسجد نہ تھی اب اس پر بحمد اللہ تیس مساجد ہیں اور ان میں جمعہ وجماعت ہوتا ہے۔ اسی طرح اور کئی باتیں ہوئیں جن سے بعض اوہام کا ازالہ ہوا۔

ان سے اجازت لے کر ہم مرکز ابن القاسم کے دفتر میں پہنچے تو وہاں جناب مولانا مشتاق احمد صاحب، مولانا غلام اکبر صاحب، مولانا ریاض احمد عاقب صاحب اور دوسروں کے ساتھ مجلس ہوئی۔ مولانا ریاض احمد صاحب ہمارے ذہین نوجوان ہیں تدریس کے ساتھ ساتھ قلم وقرطاس سے بھی شغف ہے۔ مولانا عبدالتواب محدث ملتانی رحمہ اللہ کے سوانح حیات جمع کر کے طبع کروائے ہیں۔ اللہ کریم انہیں صحت دے اور مزید علمی کاموں کی توفیق عنایت فرمائے۔

یہاں سے فارغ ہو کر باغ عام خاص کے پہلو میں دارالحدیث محمدیہ میں پہنچے یہاں جناب مولانا عبدالحی صاحب، مولانا محمد رفیق طاہر صاحب اور دیگر اساتذہ نے بھرپور استقبال کیا۔ جامعہ کی عمارت دیکھی۔ خیر وعافیت اور دیگر معلومات کا تبادلہ ہوا۔ اس طرح یہاں سے اجازت لی اور عزیزی عبدالتواب کی دکان فاروقی کتب خانہ پہنچے۔ میں نے حسب عادت مکتبہ کھنگالا اور مطلب کی چند کتابیں منتخب کیں۔ ظہر کی نماز ان کی آبائی مسجد قمر المساجد میں ادا کی۔ پھر عصر کی نماز کے بعد جلال پور پیر والا کی طرف روانہ ہوا۔ یہ سفر بحمد اللہ اب بہت آسان ہو گیا ہے۔ سن ساٹھ ستر کی دہائی میں جب ہم یہاں پڑھتے تھے بڑی مشقت اور مشکل ہوتی تھی۔ سڑکیں شکستہ، بسیں

(۱) نوخیز طلباء کی تعلیم وتربیت کے مختلف اسالیب علماء نے اختیار کیے ہیں۔ میرے لیے یہ ایک نئی بات اور نیا انداز تھا کہ ہماری جماعت کے ننکانہ مرکز میں مولانا عبدالجبار صاحب اور ان کے صاحبزادے مولانا عمران ناصر صاحب کے مرکز نور الہدیٰ میں پہلی جماعت میں ایک مناسب تعداد کو داخلہ دیا جاتا ہے اور پھر یہی جماعت تا آخر اپنے ان اساتذہ کے ہاں زیر تعلیم وتربیت رہتی ہے، جب یہ جماعت فارغ ہو جاتی ہے تب نیا داخلہ کیا جاتا ہے۔ اس طرح زیادہ تدریسی عملے کی تنخواہ اور خدمت سے بچت ہو جاتی ہے اور قوم کے نونہالوں کی تعلیم وتربیت کا عمل ایک سہل اور خوب صورت انداز میں جاری رہتا ہے...... اور یہی انداز مرکز التربیۃ الاسلامیہ فیصل آباد میں تخصص کے لیے حافظ محمد شریف صاحب اور حافظ مسعود عالم صاحب حفظہ اللہ نے اختیار کیا ہوا ہے...... اور اللہ توفیق دینے والا ہے۔

پھٹیچر اور عملہ ان سے زیادہ اجڈ۔ خیر میں ڈیڑھ گھنٹے بعد اپنی منزل مقصود پر پہنچ گیا۔

جلال پور پیر والا ملتان سے جنوب مغربی جانب ساٹھ میل کے فاصلے پر ہے۔ اس سے آگے ہیڈ پنجند کا سنگم ہے۔ اللہ کی کوئی بڑی حکمت ہے کہ اللہ والوں نے آوازۂ حق کے لیے بالعموم کوئی وادیٔ غیر ذی زرع قسم کے مقامات کو ہی منتخب فرمایا ہے۔ جلال پور بھی اسی نوعیت کا حامل قصبہ ہے۔ یہی وہ عظیم قصبہ ہے جہاں ۱۹۲۸ء میں حضرت مولانا ثناء اللہ امرتسری رحمہ اللہ بھی اظہار کتاب وسنت سے متعلق ایک مسئلہ رفع الیدین کے لیے مناظرے کی خاطر تشریف لائے تھے۔ یہاں کے اہل توحید نے ۱۹۳۴ء میں نامعلوم کس اخلاص کے ساتھ ایک چھوٹے سے ادارے کی بنیاد رکھی۔ میاں محمد رمضان، جناب علی اکبر شاہ، سیٹھ قادر بخش، میاں محمد پناہ رحمہم اللہ اور ان کے بزرگوں کو اللہ نے عجیب لذتِ آشنائی سے نوازا تھا کہ وسائل کی محدودیت کے باوجود خود کفالت کا عزم لیے دارالحدیث محمدیہ کے نام سے ایک مختصر سا مدرسہ شروع کیا۔ ہمارے شیخ جناب مولانا سلطان محمود صاحب رحمہ اللہ اس کے نوخیز اور نو فارغ التحصیل عالم تھے اس کے استاذ مقرر ہوئے۔

اشاعت کتاب وسنت، مسلک اہل حدیث، دارالحدیث محمدیہ اور اس کے اساتذہ اور طلباء ان کی محبتوں اور محنتوں کا محور تھے۔ مدرسہ کا ہر طالب علم اور ہر نیا آنے والا مہمان ان لوگوں کا ذاتی مہمان ہوتا تھا۔ طلباء کا کھانا اس دور میں احباب جماعت کے گھروں سے آتا تھا۔ اور اس عمل میں ایک عجیب اپنائیت اور لذت اور سب سے بڑھ کر برکت تھی کہ ہم آج تک اس کے اثرات محسوس کر رہے ہیں۔ اب بھی وہ رونقیں تو ہیں مگر اس طرح کی بہاروں میں بہت تبدیلی آ گئی ہے۔ راقم اور میرے برادر عزیز سعید مجتبیٰ صاحب نے یہیں سے جرعاتِ علمیہ حاصل کیے ہیں۔ مگر تشنگی ہے کہ اس کا احساس ہر دن بڑھتا ہی جاتا ہے۔ جب بھی کوئی مشکل سامنے آتی ہے تو میں پھر اسی روز اوّل کی طرح اپنے اساتذہ کے سامنے مبتدی طالب علم بن جاتا ہوں۔

میں مغرب کی نماز میں جامعہ کی مسجد میں جو اب مسجد ابوبکر صدیق کے نام سے موسوم ہے جا شریک ہوا۔ حضرت الاستاذ جناب مولانا اللہ یار خان صاحب کی شفقت اور دعاؤں سے حظ پایا۔ شیخ مکرم مولانا محمد رفیق صاحب نے اپنے دولت خانہ پر طلب فرمایا۔ ان کے ایک صاحبزادے کا کمرہ میرے لیے فارغ تھا۔ برادر عزیز ابن الشیخ محمد اسامہ عتیق صاحب نے خوب خدمت کی۔ خیر وعافیت کی معلومات کے تبادلہ کے بعد میں اپنے شیخ کے سامنے اپنے اشکالات پیش کر رہا تھا۔ مثلاً:

امہات المومنین میں سے کسی کے متعلق ذکر آتا ہے کہ ......

كانت ترى الدم والصفرة والطستُ تحتها وهي تصلّي. (صحيح بخاری) (انہیں استحاضے کا عارضہ تھا وہ زرد خون دیکھتی تھیں، ایک طشت (تھال یا ٹب) ان کے نیچے ہوتا تھا اور وہ نماز پڑھتی تھیں) ...... میں نے عرض کیا کہ یہ کیسے ہوتا تھا؟

آپ نے فرمایا کہ یہ ہر وقت کا مسلسل معاملہ نہیں ہوتا تھا بلکہ ایک عارضہ تھا، کسی وقت خون جوش مارتا تو وہ پانی کے ٹب میں بیٹھ جاتی تھیں۔ اور خون کی زردی پانی میں نمایاں ہوتی تھی۔ جب پانی کی ٹھنڈک سے جسم کے اندرونی اعصاب کو سکون آ جاتا اور خون کا جوش اعتدال پر آ جاتا تو وہ لنگوٹ باندھ کر نماز پڑھتی اور دوسرے کام کاج کرتی تھیں۔

راقم عرض کرتا ہے فی الواقع یہ بات ہمارے تجربہ کی ہے کہ نکسیر پھوٹنے کی صورت میں بالکل اسی طرح کیا جاتا ہے کہ سر پر پانی ڈالا جاتا ہے تا آنکہ خون رک جاتا ہے۔ علاوہ ازیں امام ابن حجر رحمہ اللہ نے بھی یہی مفہوم بیان کیا ہے کہ

رُبَمَا جَعَلَتِ الطستَ تحتها.

''بسا اوقات وہ اپنے نیچے ٹب رکھ لیتی تھیں۔''

اسی طرح مسئلہ طلاق ثلاثہ کے بارے میں میرا اشکال یہ تھا کہ ائمہ اربعہ رحمہم اللہ سبھی ایک مجلس کی طلاق کو تین ہی قرار دیتے ہیں۔

جب کہ اصحاب الحدیث کا مسلک اور فتویٰ ان کے برخلاف ہے؟ تو شیخ ﷾ نے فرمایا کہ معلوم ہوتا ہے کہ اس دور میں علم دین اور مسائل کی اشاعت اس قدر تھی کہ ان لوگوں کو اس مسئلہ میں اس قدر چھوٹ نہیں دی جا سکتی تھی۔ جیسے کہ سیّدنا عمر بن خطاب ؓ نے لوگوں کو چھوٹ نہیں دی تھی اور تعزیراً ایک وقت کی تین طلاقوں کو تین ہی شمار کیا تھا۔ تو ان ائمہ نے بھی یہی فتویٰ دیا۔ جب کہ ہمارے اس دور میں جہالت اپنی انتہا کو پہنچ رہی ہے۔

لطیفہ:

شیخ صاحب نے بتایا کہ ہمارے ملتان میں حضرات حنفیہ کا ایک معروف مفتی ہے جو کسی وقت کچھ عرصہ ہمارے ہاں پڑھتا بھی رہا ہے۔ کبھی کبھار یہاں آ جاتا ہے اور بڑی عزت کرتا ہے۔ کہتے ہیں کہ میں نے ایک بار اس سے کہا کہ کیا وجہ ہے کہ فقہ حنفی میں تو احوال وظروف کی روشنی میں لوگوں کے حالات کی مناسبت سے انہیں بہت رعایت دی جاتی ہے تو اس مسئلہ میں انہیں حلالہ کی راہ کیوں دکھائی جاتی ہے؟ تو اس نے جواب میں کہا: استاد جی! اگر کسی نے اس طرح کی بات کی (جو آپ کہتے ہیں) تو تمام حنفی اس پر بھڑک اٹھیں گے!

نیز شیخ صاحب نے اس مسئلہ میں اپنا معمول بتایا کہ ہماری جماعت کے بعض مفتی حضرات ان لوگوں کو مسلک اہل حدیث قبول کرنے کی شرط پر فتویٰ دیتے ہیں مگر ہم ایسا نہیں کرتے۔ حقیقت یہ ہے کہ جب لوگوں کو ان حضرات کے یہ انداز اور یہ فتوے معلوم ہوتے ہیں تو وہ ازخود ان سے متنفر ہو جاتے ہیں اور اللہ ان کے لیے ہدایت کی راہ کھول دیتا ہے۔

اگلے دن ۲ مارچ بروز بدھ صبح جامع مسجد ابوبکر صدیق کے ہال میں طلباء جمع تھے کہ ساڑھے آٹھ بجے پہلی نشست کا آغاز ہوا۔ عزیز طلباء نے تجوید وحسن قراءت کے لیے بہت عمدہ تیاری کی تھی۔ اللہ کرے ادارے کو کوئی معیاری مجود قاری صاحب میسر آ جائے تو ان نوخیز طلباء کی صلاحیت اور زیادہ نکھر سکتی ہیں۔ امت میں نونہالوں کا قرآنِ کریم کے ساتھ شغف دلیل ہے کہ ان شاء اللہ یہ قوم جب تک قرآن کے ساتھ منسلک رہے گی کسی طرح کسی سے پٹ نہیں سکتی۔

پھر معلوم ہوا کہ دیگر مہمانان جناب پروفیسر محمد یحییٰ صاحب (ابن الشیخ سلطان محمود ؒ) پروفیسر سعید مجتبیٰ سعیدی صاحب (برادر راقم)، مولانا عبدالرحمٰن چیمہ صاحب اور مولانا عبدالرحمٰن شاہین صاحب تشریف لے آئے ہیں۔ ادھر پہلی نشست اپنے اختتام کو پہنچی اور طلباء سے کہا گیا کہ آدھے گھنٹے بعد دوسری نشست کا آغاز ہوگا۔

ناشتے کے بعد دوسری نشست میں تقریری مقابلے کا آغاز ہوا، اردو عربی میں تقاریر کی فہرست ہمارے ہاتھوں میں تھی۔ اور سچی بات یہ ہے کہ میں سمجھ رہا تھا کہ دیہاتی انداز کے مدرسہ کے طلباء کی تقاریر بھی بس دیہاتی انداز ہی کی ہوں گی اور مجھے کوئی زیادہ فائدہ نہ ہوگا۔ مگر جب طلباء عزیز باری باری سٹیج پر آنے لگے تو حجیت حدیث، حفاظت حدیث، خدمات اہل حدیث اور مقام صحابہ ؓ وغیرہ متنوع عناوین سے اپنی اپنی معلومات کو معتبر خطیبانہ انداز سے پیش کرنے لگے۔ میں اپنی معلومات کی تجدید سے بڑھ کر اضافہ معلومات سے حیرت میں ڈوبتا چلا گیا۔ کہیں تو حیرت وحسرت سے سینے میں ٹھیس اٹھی اور کہیں سلف کے کارناموں پر آنکھوں نے الفت ومحبت کے پانی سے وضو کیا۔ اور مجھے اپنی سطحی سوچ پر انتہائی افسوس بھی ہوا۔ حتی کہ عربی تقاریر میں طلباء کی معلومات، لب ولہجہ اور سامعین کے لیے متاثر کن اسلوبِ خطابت نے بہت شاد کام کیا۔

یہ سب جہاں ان طلباء کی محنت تھی وہیں ان اساتذہ کرام کی محنت، شوق اور لگن کا اظہار بھی تھا جو وہ اس دور افتادہ علاقے میں امت اور امت کے نونہالوں کے لیے کر رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان سب کو اپنے حفظ وامان میں رکھے ان کی صلاحیتوں میں اضافہ فرمائے۔ ان اساتذہ کی محنتیں قبول ہوں اور یہ ادارے مزید پھلیں پھولیں۔ عصر کے بعد نتائج کا اعلان ہوا۔ انعامات تقسیم ہوئے اور آخر میں جناب پروفیسر محمد یحییٰ صاحب کے علمی خطاب اور طلباء کے لیے اہم پند ونصائح پر اس مبارک مجلس کا اختتام ہوا۔ اور بعد از مغرب تمام مہمانان بھی اپنی اپنی منزل کی طرف روانہ ہو لیے۔



وفیات

ممتاز داعی مولانا محمد بشیر الطیب کا سانحہ ارتحال

محمد یٰسین ظفر، پرنسپل جامعہ سلفیہ

تمام دینی جماعتی اور دعوتی حلقوں میں یہ خبر نہایت حزن وملال کے ساتھ سنی گئی کہ ممتاز داعی اسلام جید عالم دین مولانا محمد بشیر الطیب ۱۶، ۱۷ مارچ ۲۰۱۱ء کی درمیانی شب طویل علالت کے بعد کویت میں رحلت فرما گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

ان کی میت جمعہ کی صبح ان کے آبائی گاؤں سنبھلہ کلاں میں پہنچی اور عصر کے بعد نماز جنازہ اور تدفین عمل میں آئی۔ اللھم اغفرلہ وارحمہ

مولانا بشیر الطیب پختہ عقیدہ کے حامل اور صاحب کردار عالم دین تھے۔ انہوں نے ابتدائی تعلیم اپنے چچا مولانا عبید اللہ مرحوم سے حاصل کی۔ جو اپنے وقت کے ولی کامل تھے۔ مولانا احمد علی لاہوری رحمہ اللہ کے خلیفہ خاص، بہت صالح اور مستجاب الدعوات تھے۔ ابتدائی تعلیم مکمل کرنے کے بعد جامعہ محمدیہ گوجراں والا سے فارغ التحصیل ہوئے۔ کچھ عرصہ گوجراں والا میں خطیب رہے۔ ۱۹۷۸ء میں محکمہ اوقاف کویت کے ساتھ وابستہ ہوگئے۔ الجہراء کی ایک مسجد میں اردو زبان میں خطبہ جمعہ شروع کیا اور تادم مرگ نہایت خوش اسلوبی کے ساتھ یہ فریضہ سرانجام دیتے رہے۔

مولانا بشیر الطیب بہت منکسر المزاج، مہمان نواز، خوش گفتار اور خوش لباس تھے۔ اپنے نرم مزاج اور نرم خوئی کی بدولت ہر دلعزیز تھے۔ ایک وسیع حلقہ احباب آپ کا مداح تھا۔ آپ کی دعوتی سرگرمیوں کا دائرہ پورے کویت میں تھا۔ جس کی بدولت لوگ صحیح عقیدہ اور کتاب وسنت کی تعلیمات کو اختیار کرتے چلے جاتے تھے۔ اپنی علالت اور کمزوری کے باوجود یہ مبارک کام جاری رکھا۔ مولانا مرحوم سے پہلی ملاقات کویت میں ہی ہوئی۔ مختلف دعوتی پروگراموں میں اکٹھے شریک ہوئے۔ ماہانہ دعوتی پروگرام جو کہ قرطبہ میں ہوتا تھا طویل گفتگو سننے کا موقعہ ملا۔ آپ بڑے مہربان اور مشفق تھے۔ اسی سفر میں ان کی مسجد الجہراء میں خطبہ جمعہ دیا۔ جس پر بڑی تحسین کی اور ڈھیروں دعاؤں سے نوازا۔

جامعہ سلفیہ کے ساتھ قلبی تعلق تھا۔ اس کے نظم ونسق اور تعلیمی معیار سے بہت مطمئن تھے۔ اسی وجہ سے انہوں نے اپنے دو لخت جگر ابوہریرہ اور ابوعبیدہ کو قرآن حکیم حفظ کرنے کے لیے جامعہ کے شعبہ حفظ میں داخل کرایا۔ دونوں بچے ماشاء اللہ بہت ذہین تھے اور دو سال میں مکمل حفظ کرلیا۔ جس کی اختتامی تقریب میں خود تو شریک نہ ہوسکے لیکن دونوں بچوں کے نانا مولانا عبید اللہ مرحوم اور بچوں کی والدہ خود شریک ہوئیں۔ بڑی با رونق اور پروقار تقریب تھی۔ جس میں حافظ مسعود عالم نے قرآن حکیم کی فضیلت پر درس ارشاد فرمایا جب کہ راقم نے جامعہ کی کارکردگی پر تفصیلی روشنی ڈالی اور آخر میں مولانا عبید اللہ مرحوم نے دعا خیر فرمائی۔

مولانا بشیر الطیب نیکی کے کاموں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے تھے اور دوسروں کو توجہ دلانے کے ساتھ خود مالی تعاون کرتے۔ جامعہ سلفیہ کے لیے سالانہ تعاون ضرور ارسال کرتے اور دعاؤں کی درخواست کرتے۔

پاکستان میں تشریف لاتے تو تمام احباب کے ساتھ رابطہ کرتے۔ آپ کا مرکزی جمعیت اہل حدیث کے ساتھ جذباتی تعلق تھا اور جماعتی حسن کارکردگی پر مسرت کا اظہار کرتے۔ اور باہمی اختلافات پر کبیدہ خاطر ہوتے۔ سب کو مل جل کر کام کرنے کی تلقین کرتے۔ مرکزی دفتر ۱۰۶ راوی روڈ ضرور تشریف لے جاتے اور اسی طرح بارہا

جامعہ سلفیہ تشریف لائے۔ راقم کو میزبانی کا شرف حاصل ہوا۔

مولانا مرحوم کویت رہ کر بھی اولاد کی تعلیم وتربیت سے غافل نہ ہوئے۔ تمام بچوں اور بچیوں کو دینی تعلیم وتربیت سے آراستہ کیا۔ ماشاء اللہ ان کے ایک صاحب زادے ابوبکر کویت میں محکمہ اوقاف کی طرف سے ایک مسجد میں امامت کے فرائض سرانجام دے رہے ہیں۔ جب کہ ابوسفیان جامعہ محمدیہ گوجراں والا میں مدرس ہیں باقی ابھی زیر تعلیم ہیں۔ تمام اولاد صالح پابند صوم وصلوٰۃ ہیں۔

مولانا نے بھر پور اور بامقصد زندگی گزاری۔ اکثر وقت مطالعہ میں گزارتے اور دعوتی نقطہ نظر سے بہترین مضامین تحریر کرتے۔ ہفت روزہ اہل حدیث ہفت روزہ الاعتصام اور ماہنامہ ترجمان الحدیث میں ان کے مضامین شائع ہوتے تھے۔ جو تمام حلقوں میں بڑے شوق سے پڑھے جاتے۔ آپ کی رحلت سے یقیناً ہم سب ایک اچھے مخلص اور مشفق ساتھی سے محروم ہوئے ہیں۔

دعا ہے اللہ تعالیٰ ان کی دعوتی خدمات قبول فرمائے اور ذخیرۂ آخرت بنائے۔ ان کی مغفرت فرمائے اور بشری لغزشوں سے درگزر فرمائے۔ تمام لواحقین کو صبر جمیل سے نوازے، آمین۔

جامعہ کے تمام اساتذہ اور طلباء غم کی اس گھڑی میں شریک ہیں اور مرحوم کے لیے دعا گو ہیں۔



ماسٹر خلیل الرحمٰن کی وفات

ماسٹر خلیل الرحمٰن بن مولانا شاکر محمد مرحوم ۲۷ مارچ ۲۰۱۱ء کو وفات پاگئے۔ مرحوم کے جنازہ میں کثیر احباب نے شرکت فرمائی۔ انہوں نے پس ماندگاہ میں بیوہ، چار بیٹے اور تین بیٹیاں سوگوار چھوڑی ہیں۔ قارئین سے دعائے مغفرت کی درخواست ہے۔

(عبدالغنی آلِ حسن ڈی جی خان)

چوہدری عبدالعزیز کو صدمہ

گزشتہ دنوں جماعت اہل حدیث 134 9.L ساہیوال کے بزرگ رہنما چوہدری عبدالعزیز کے جواں سال بیٹے حاجی چوہدری محمد طارق الریاض سعودی عرب میں انتقال کر گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون مرحوم نے اپنے پیچھے تین معصوم بچے، اہلیہ، بوڑھے والدین، بہن بھائی اور عزیز واقارب سوگوار چھوڑے ہیں۔ قارئین سے دعائے مغفرت کی درخواست ہے۔ قاری حسن سلفی نے نماز جنازہ پڑھائی۔

(چوہدری محمد طارق سندھی واراکین جماعت 134 9.L ساہیوال)

حرمت رسول ﷺ کانفرنس

مدرسہ عزیزیہ چک نمبر ۲ ایم آر ضلع ملتان میں ۹/اپریل بروز ہفتہ حرمت رسول ﷺ کانفرنس ہوگی، قاری محمد حسن سلفی، مولانا سیف اللہ اعظم ودیگر خطاب کریں گے۔ (انتظامیہ)

دعائے صحت

جامعہ اسلامیہ پاک پتن کے مدرس قاری محمد شکیل علیل ہیں۔ احباب سے دعائے صحت کی درخواست ہے۔

(قاری محمد حسن سلفی، ٹبہ سلطان پور)

یادِ رفتگاں

مولانا محمد بشیر الطیب کا انتقال پر ملال

اور جماعت اہل حدیث (کویت) کا تعزیت نامہ

موت بڑی عجیب چیز ہے کہ جو پیاروں کو ایک دوسرے سے جدا کر دیتی ہے۔ والدین کو اولاد سے اور اولاد کو والدین سے جدا کر دیتی ہے۔ بھائیوں کو بہنوں سے اور بہنوں کو بھائیوں سے جدا کر دیتی ہے۔ خاوند کو بیوی سے اور بیوی کو خاوند سے جدا کر دیتی ہے۔ 'موت' دوست احباب، اقرباء اور رفقاء سب سے جدا کر دیتی ہے۔

موت برحق ہے اور اس سے کسی کو مفر نہیں۔ موت ہر ایک پر آتی ہے اور کوئی شخص اس سے مستثنیٰ نہیں چاہے نبی ہو یا ولی، شاہ ہو یا گدا، بڑا ہو یا چھوٹا، مرد ہو یا عورت، نیک ہو یا برا۔ کسی کو اس سے چھٹکارا نہیں، کوئی طاقتور ہو تب بھی اور کوئی کمزور ہو جب بھی، ہر حال میں اسے اس کا ذائقہ چکھنا ہی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَ مَا جَعَلْنَا لِبَشَرٍ مِّنْ قَبْلِكَ الْخُلْدَ ؕ اَفَائِنْ مِّتَّ فَهُمُ الْخٰلِدُوْنَ ○ كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ ؕ﴾

''اور آپ سے پہلے کسی انسان کو بھی ہم نے ہمیشگی نہیں دی، کیا آپ فوت ہوگئے تو وہ ہمیشہ کے لیے زندہ رہیں گے؟ ہر جاندار کو موت کا ذائقہ چکھنا ہے۔'' (الانبیاء: ۳۴، ۳۵)

یعنی اے محمد ﷺ! نہ تو آپ سے پہلے کسی انسان کو ہمیشہ کے لیے زندہ رکھا گیا اور نہ ہی آپ ہمیشہ زندہ رہنے والے ہیں، بلکہ ہر جاندار کو موت کا مزہ چکھنا ہے۔ اور کسی نے سچ کہا ہے کہ

لو کان فی الدنیا بقاء
لما مات خیر المرسلین محمد

''اگر دنیا میں کسی کے لیے بقاء ہوتی تو افضل الرسل حضرت محمد ﷺ دنیا سے رخصت نہ ہوتے۔''

ہے اسی قانون عالمگیر کا یہ سب اثر
بوئے گل کا باغ سے گلچیں کا دنیا سے سفر

کویت کے اردو داں حلقوں میں مشہور و معروف عالم دین جناب مولانا محمد بشیر طیب مؤرخہ ۱۲ ربیع الثانی ۱۴۳۲ھ (۱۶ مارچ ۲۰۱۱ء) بروز بدھ بعد نماز عشاء اس دار فانی سے رحلت فرما گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

موصوف کچھ عرصہ سے بیمار تھے۔ پہلے پاکستان میں زیر علاج رہے لیکن صحت یاب نہ ہو سکے۔ پھر شدید بیماری کی حالت میں کویت واپس آئے تو یہاں نئے سرے سے علاج شروع کیا۔ ڈاکٹری علاج بھی ہوتا رہا اور روحانی علاج بھی۔ اپنے صاحبزادے جناب حافظ ابوبکر عتیق کے گھر میں مقیم رہے اور رفتہ رفتہ روبصحت ہوگئے۔ پھر اپنی ڈیوٹی پر بھی جانے لگے۔ مؤرخہ ۳ مارچ کو کویت کی جماعت اہل حدیث کے زیر اہتمام جمعیۃ احیاء التراث الاسلامی کے مرکزی ہال میں ہونے والے ماہانہ تربیتی و اصلاحی اجتماع میں مختصر مگر جامع خطاب فرمایا، اسی طرح ۴ مارچ کو اور پھر ۱۱ مارچ کو مسجد عبداللہ بن عمر (الجہراء) میں خطبۂ جمعہ بھی دیا۔ لیکن اس کے بعد مؤرخہ ۱۲ مارچ بروز ہفتہ کو طبیعت دوبارہ ناساز ہوگئی۔ فالج کا اٹیک ہوا اور انہیں ہسپتال میں داخل کرا دیا گیا۔ تین دن زیر علاج رہے۔ طبیعت کچھ سنبھل گئی تھی لیکن اچانک دل کا دورہ پڑا، حرکت قلب بند ہوگئی اور چوتھے دن کے اختتام پر اللہ کو پیارے ہوگئے۔ وفات کے وقت مولانا مرحوم کی عمر تقریباً ۶۱ سال تھی۔ آپ کے پس ماندگان میں ایک بیوہ، پانچ بیٹے اور چار بیٹیاں ہیں۔

موصوف جب پاکستان سے بیماری کی حالت میں آئے اور حافظ ابوبکر صاحب کے گھر میں اقامت اختیار کی تو ان کے محبین وقتاً فوقتاً

ان کی عیادت بھی کرتے رہے اور ان کی صحت کے لیے دعائیں بھی۔ اس کے بعد جب ہسپتال میں داخل ہوئے تو عیادت کرنے والوں کا تانتا لگا رہا۔ انہیں جاننے والے لوگوں میں سے جس کو بھی پتا چلا (چاہے وہ عربوں میں سے ہو یا عجمیوں میں سے) اس نے موصوف کی عیادت کی اور ان کے لیے نیک تمناؤں کا اظہار کیا۔ اور جب ان کی وفات ہوئی تو اس کی جانگسل خبر بڑے ہی غم وحزن کے ساتھ سنی گئی اور بڑی تیزی کے ساتھ کویت بھر میں ان کے جاننے والوں تک پہنچ گئی۔ بعد ازاں فوری طور پر ہسپتال میں ساتھیوں کی آمد شروع ہوگئی جو رات دیر تک ہسپتال میں ہی غم واندوہ کی تصویر بنے رہے اور حافظ ابوبکر عتیق اور آپس میں ایک دوسرے سے اظہار تعزیت کرتے رہے۔ نہ صرف کویت میں بلکہ پاکستان اور ہندوستان میں بھی چند منٹوں کے اندر ہی ان کی موت کی افسوسناک خبر بجلی کی طرح پھیل گئی۔ اور بیرونِ ملک ان کے محبین کی طرف سے فوری طور پر تعزیت کے پیغامات مختلف ساتھیوں کے موبائلز پر وصول ہونے لگے۔

دیارِ غیر میں موت آئے تو میت کی تدفین یا اس کی اپنے ملک کو ترسیل کے لیے کافی اجراءات مکمل کرانا پڑتے ہیں اور ان پر اچھا خاصا وقت صرف ہوتا ہے لیکن موصوف کی موت کے اعلان کے ساتھ ہی یہ اجراءات شروع کر دیئے گئے اور الحمد للہ موصوف کو بلا تاخیر تجہیز وتکفین کے لیے مؤرخہ ۱۷ مارچ بروز جمعرات کو نماز ظہر کے بعد ہی قبرستان پہنچا دیا گیا۔ اس دوران ان کے چاہنے والے مسلسل فون کرتے اور ان کی نماز جنازہ کے متعلق پوچھتے رہے۔ نماز عصر کے فوراً بعد نماز جنازہ کی ادائیگی طے تھی جس میں کویت اور دیگر مختلف ممالک کے رہنے والے ان کے محبین کی بہت بڑی تعداد شریک ہوئی۔ اس موقعہ پر دیکھا گیا کہ ہر آنکھ اشکبار تھی، ہر شخص غمزدہ اور افسردہ تھا اور موصوف کا ہر چاہنے والا ان کے لیے دعائے مغفرت کرتا ہوا پایا گیا۔ شرکائے جنازہ نے جہاں حافظ ابوبکر عتیق کی تعزیت کی وہاں جماعت اہل حدیث (کویت) کے ساتھی آپس میں بھی ایک دوسرے سے اظہار افسوس کرتے رہے۔

مولانا محمد بشیر طیب رحمہ اللہ عرصہ تقریباً تیس سال سے کویت میں مقیم تھے۔ اِس دوران انہوں نے اردو داں حلقے میں کتاب وسنت کی دعوت اور مسلک اہل حدیث کی نشر واشاعت میں اہم کردار ادا کیا۔ ہم موصوف کی چند خوبیاں یہاں نہایت اختصار کے ساتھ ذکر کرتے ہیں۔

احکاماتِ دین کی پابندی:

موصوف احکام دین کے سخت پابند تھے۔ خاص طور پر صوم وصلاۃ جیسے دین کے اہم ارکان میں کوئی کوتاہی برداشت نہیں کرتے تھے۔ موصوف جب کویت آئے تھے اور ابھی سرکاری ملازمت نہیں ملی تھی تو کسی موقعہ پر کام میں مشغولیت کی وجہ سے ان کی ایک نماز رہ گئی جس کا انہیں بہت زیادہ صدمہ ہوا اور انہوں نے دعا کی کہ اے اللہ! مجھے ایسی ملازمت دے کہ جس میں کبھی نماز نہ چھوٹے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا قبول کر لی اور انہیں وزارت اوقاف میں مؤذن کی ملازمت مل گئی۔ یہ ایسی ملازمت ہے کہ اس میں نماز تو کیا اذان بھی چھوٹنے کا سوال پیدا نہیں ہوتا۔ وہ اپنی اس ڈیوٹی پر اللہ تعالیٰ کا شکر بھی ادا کرتے تھے اور اس پر فخر بھی کیا کرتے تھے۔ وہ فخر کیوں نہ کرتے جب کہ رسولِ اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ

((المؤذنون أطول الناس أعناقا يوم القيامة))

''قیامت کے دن مؤذنوں کی گردنیں سب سے زیادہ لمبی ہوں گی۔'' (مسلم)

یعنی وہ باقی لوگوں کی نسبت اجر وثواب کو زیادہ دیکھنے والے ہوں گے۔ موصوف تقریباً پچیس سال یہی ملازمت کرتے رہے اور آخری وقت تک اسی پر قانع رہے۔ آپ تہجد کی اذان کہنے کے بعد نماز تہجد میں مشغول ہوجاتے تھے۔ اور چوں کہ آپ کا قیام بھی مسجد میں ہی تھا اس لیے ان کا اکثر وبیشتر وقت قرآنِ مجید کی تلاوت، دینی کتب ورسائل کے مطالعہ، نفل نماز کی ادائیگی اور دعا میں گزرتا تھا۔

آپ نمازوں کی ادائیگی پر اس قدر حریص تھے کہ زندگی کے جو آخری ایام آپ نے ہسپتال میں گزارے ان میں اپنے ساتھیوں سے بار بار نمازوں کے اوقات کے بارے میں پوچھتے رہتے تھے اور اگر

کوئی نماز سخت تکلیف کی وجہ سے رہ جاتی تو بعد میں کچھ افاقہ ہونے پر تیمّم کر کے اسے قضا کر لیتے تھے۔

دعوت الی اللہ کے لیے جدوجہد:

مولانا رحمہ اللہ نے کویت میں دعوت الی اللہ کے میدان میں بہت جدوجہد کی، بلکہ جن حضرات نے اردو داں حلقوں میں کتاب وسنت کی دعوت اور سلفی منہج کی نشر واشاعت کا کام شروع کیا تھا موصوف کا نام ان میں سرفہرست نظر آتا ہے۔ آپ کا سب سے کامیاب درس وہ تھا جو آپ عرصہ دراز سے ہر جمعرات کو کویت سٹی کے قلب میں واقع مسجد عبداللہ مبارک (معروف بہ مسجد الشملان) میں دیا کرتے تھے۔ یہ درس عشاء کے نماز کے بعد ہوتا تھا۔ تاہم موصوف عصر کی نماز کے بعد ہی اپنے علاقے (الجہراء) سے بذریعہ بس روانہ ہوجاتے تھے اور کویت سٹی پہنچ کر اپنے بعض ساتھیوں کے ہاں اٹھتے بیٹھتے اور انہیں سلفی دعوت پیش کرتے تھے۔

مغرب وعشاء کے دوران بھی شخصی رابطوں پر توجہ دیتے تھے اور زیادہ سے زیادہ لوگوں کو مسجد کی طرف کھینچ لاتے تھے۔ وہ بعد نماز عشاء تفصیلی درس دیتے اور درس کے بعد لوگوں کے سوالوں کے جوابات دیتے تھے۔ جس کا طریقہ انہوں نے یہ اختیار کر رکھا تھا کہ ہر درس کے بعد شرکائے درس انہیں سوالات لکھ کر دیتے تھے، آپ وہ سوالات اپنے پاس رکھ لیتے اور دورانِ ہفتہ ان کے جوابات تیار کرتے اور اگلے درس میں ان کے جوابات دے دیتے۔ اِس طرح وہ ہر جمعرات کو پچھلے ہفتے کے سوالات کے جوابات دیتے اور اگلے ہفتے کے لیے نئے سوالات وصول کر لیتے۔ اس درس میں زیادہ تر شرکاء ہندوستان سے ہوتے جو ان کے دروس کو ریکارڈ کر کے ان کی کیسٹیں ہندوستان میں اپنے گھر والوں اور دوست احباب کو بھی بھیجتے تھے۔ یوں آپ کی دعوت اللہ کے فضل وکرم سے دیارِ غیر میں بھی پہنچ رہی تھی۔

اِس درس کے علاوہ آپ مسجد عبداللہ بن عمر (الجہراء) میں خطبہ جمعہ بھی ارشاد فرماتے تھے جس سے خاص طور پر اس علاقہ کے لوگوں نے بہت استفادہ کیا۔ اسی طرح آپ کا ایک درس (الجہراء) کے علاقے میں واقع مسجد البسام میں بھی بہت عرصے تک جاری رہا۔ نیز ایک اور اہم درس امغرہ میں واقع مسجد سکن الغراب (بیچلرز کی رہائش گاہ) میں ہوتا تھا جس میں پاکستان، ہندوستان اور بنگلا دیش کے لوگوں کی ایک بڑی تعداد شریک ہوتی اور موصوف سے مستفید ہوتی تھی۔

آپ اپنے دروس وخطباتِ جمعہ میں دیگر علمائے اہل حدیث کی طرح خالصتاً کتاب وسنت پر مبنی گفتگو کرتے تھے، جس کے یہاں کویت میں بہت اچھے نتائج دیکھے گئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کے ذریعے بہت سارے لوگوں کو عقیدہ درست کرنے، اعمال کی اصلاح کرنے اور انہیں راہِ راست پر آنے کی توفیق دی۔ اور ایسے لوگ (أو علما ينتفع به) کے تحت یقیناً آپ کے لیے صدقہ جاریہ ہیں۔

علمی ذوق، اہل علم سے رابطہ اور تحریر مضامین ورسائل:

مولانا رحمہ اللہ علمی ذوق رکھتے تھے۔ اور اسی لیے علمی مسائل میں اہل علم سے رابطہ رکھتے تھے۔ خاص طور پر پاکستان کے مشہور عالم دین جناب حافظ عبدالمنان نور پوری حفظہ اللہ سے خط وکتابت کرتے تھے اور بعض مسائل میں استفسار اور بعض میں مناقشہ وتعاقب بھی کرتے تھے جس کے کئی نمونے حضرت حافظ صاحب کی کتاب (احکام ومسائل) کی دونوں جلدوں میں دیکھے جاسکتے ہیں۔ آپ کے متعدد مضامین کئی مجلّات میں چھپ چکے ہیں خاص طور پر مجلّہ (اہل حدیث) میں۔ اس کے علاوہ آپ کی ایک کتاب (بخشش کی راہیں) کے عنوان سے شائع ہوچکی ہے اور اسے پاکستان اور کویت میں مفت تقسیم کیا گیا ہے۔ یہ تمام چیزیں آپ کے علمی ذوق پر دلالت کرتی ہیں۔

جماعتی وابستگی:

موصوف رحمہ اللہ پاکستان میں مرکزی جمعیت اہل حدیث سے تعلق رکھتے تھے اور کویت کی جماعت اہل حدیث میں نائب رئیس کے منصب پر فائز تھے۔ آپ جماعتی نظم وضبط کی سختی سے پابندی کرنے کے نہ صرف قائل تھے بلکہ اس پر خود عمل بھی کرتے تھے اور اکثر وبیشتر اپنے جماعتی ساتھیوں کو ان کی پابندی کرنے کی تلقین بھی کرتے رہتے تھے۔ آپ دستوری اور آئینی امور کا بھر پور لحاظ رکھتے تھے۔ آپ

شروع سے لے کر آخری دم تک جماعت سے وابستہ رہے۔ صاف گو تھے اور مداہنت کے قائل نہ تھے۔ مزاج میں طبعی طور پر سختی ضرور تھی اور بعض اوقات بعض امور میں اختلاف بھی کرتے تھے لیکن خود بھی جماعت سے جڑے رہے اور جماعتی ساتھیوں کو بھی جوڑے رکھا۔

محبت والفت اور حسن اخلاق:

موصوف رحمہ اللہ ہر دلعزیز تھے۔ پاکستانی، ہندوستانی اور حتی کہ کویتی بھی آپ سے محبت کرتے تھے۔ اس کی ایک وجہ یہ تھی کہ آپ خود اپنے تمام ساتھیوں، جماعتی کارکنوں اور مسلکی بھائیوں سے بہت پیار کرتے اور انہیں اپنے قریب رکھتے تھے۔ متعدد ساتھی وقتاً فوقتاً ان کی زیارت کے لیے خصوصی طور پر (الجہراء) میں جاتے تھے جن کی وہ اپنے ہاتھوں سے تیار کیے ہوئے کھانے وغیرہ سے ضیافت کرتے تھے۔

حضرت مولانا محمد بشیر طیب، جنہیں اب مرحوم لکھتے ہوئے دل غم واندوہ میں ڈوب جاتا ہے، ایسے عالم باعمل اور ہمہ قسم کی خوبیوں کی پیکر شخصیات روز بروز پیدا نہیں ہوا کرتیں اور بالخصوص قحط الرجال کے اس دور میں مولانا مرحوم کی کمی جس شدت سے محسوس کی جائے گی اس کا اندازہ جماعت اہل حدیث (کویت) کے افراد ہی کر سکتے ہیں۔

مولانا کی وفاتِ حسرت آیات کا بالخصوص جماعت اہل حدیث (کویت) کے تمام ساتھیوں کو شدید صدمہ ہوا۔ جس روز مولانا رحمہ اللہ کی میت پاکستان روانہ کی گئی اس سے اگلے ہی روز (یعنی ۱۸ مارچ بروز جمعہ کو) جہاں جہاں اردو زبان میں خطبات جمعہ تھے ہر جگہ پر موصوف کے لیے دعائے مغفرت کی گئی اور بعض مساجد میں غائبانہ نماز جنازہ بھی ادا کی گئی۔

پھر اسی روز بعد نماز عشاء مرکز دعوۃ الجالیات میں جماعت اہل حدیث (کویت) کا ہنگامی تعزیتی اجلاس ہوا جس میں شوریٰ کے تمام ارکان اور اسی طرح مختلف حلقوں کے کارکنان بھی شامل ہوئے۔ جماعت کے ناظم اعلیٰ نے موصوف کی موت کے حوالے سے تمہیدی گفتگو کی، بعد ازاں ان کے دیرینہ ساتھی الشیخ صلاح الدین مقبول احمد اور الشیخ عارف جاوید محمدی حفظہما اللہ نے آپ کی خدمات کا تذکرہ کیا۔ اِس اجلاس کے تمام شرکاء نہایت صدمے کی حالت میں تھے اور افسوس کا اظہار کرتے رہے۔ اس کے ساتھ ساتھ ان سب نے موصوف رحمہ اللہ کی کویت میں خدمات کو دل کی گہرائیوں سے خراجِ تحسین پیش کیا اور دعا کی کہ اللہ تعالیٰ موصوف کی جہود کو قبولیت سے نوازے، ان کی خطاؤں سے درگزر فرمائے اور حسنات کو قبول فرما کر ان کے درجات کو بلند کرے اور جنت الفردوس نصیب کرے۔ اور ان کے تمام ورثاء ولواحقین کو ان کے سانحہ ارتحال پر صبر جمیل عطا فرمائے، آمین۔

اس کے علاوہ انہوں نے مولانا مرحوم کی فیملی کے ساتھ صدق دل سے اظہار ہمدردی بھی کیا، دعائے خیر بھی کی اور اس کے لیے نیک تمناؤں کا اظہار بھی کیا۔

جماعت اہل حدیث (کویت) کے تمام احباب بالخصوص الشیخ صلاح الدین مقبول احمد، مولانا عبدالخالق مدنی، الشیخ محمد انور سلفی، الشیخ کفایت اللہ، قاری عتیق الرحمٰن، سیّد حبیب اللہ شاہ بخاری، حاجی حبیب الرحمٰن، حاجی محمد امین، بھائی عبدالغفور، بھائی عبداللہ شاد، حاجی محمد ارشد، حاجی محمد یاسین، بھائی ملک جاوید، بھائی مظہر ریاض، بھائی اعجاز حیدر، بھائی محمد رفیق صابر، سلطان بھائی، عابد بھائی، بھائی عمران عباس، بھائی محمد یوسف اور حاجی افتخار احمد وغیرہم اس عظیم صدمہ میں مولانا مرحوم کے اہل خانہ، تمام صاحبزادگان اور خویش واقارب کے غم میں شریک ہیں۔

اسی طرح جمعیۃ احیاء التراث الاسلامی (لجنۃ القارۃ الہندیۃ) کے ذمہ داران نے بھی مرحوم کے اہل خانہ ولواحقین سے تعزیت کا اظہار کیا ہے اور دعا گو ہیں کہ اللہ تعالیٰ مرحوم کو کروٹ کروٹ جنت الفردوس نصیب کرے اور ان کے تمام پس ماندگان کو اس عظیم صدمہ کو برداشت کرنے کی توفیق نصیب کرے، آمین۔

غم زدہ: حافظ محمد اسحاق زاہد (ناظم اعلیٰ)، عارف جاوید محمدی (رئیس جماعت اہل حدیث کویت)

